ماہنامہ مجلہ

حیات نو

بلریاگنج

مولانا صدرالدین اصلاحیؒ

حیات و خدمات

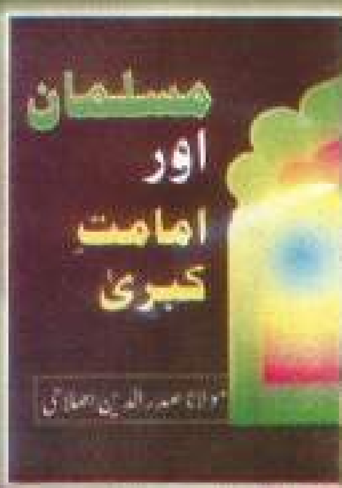

خصوصی اشاعت
مولانا صدر الدین اصلاحیؒ
حیات و خدمات

انجمن طلبہ قدیم جامعۃ الفلاح کا ترجمان

ماہنامہ مجلہ

حیات نو

بلریاگنج

جلد نمبر ۱۹

رمضان - ذی الحجہ ۱۴۲۱ھ
جنوری - اپریل ۲۰۰۰ء

شمارہ نمبر ۱-۴

مدیر مسئول
نور محمد فلاحی

مدیر
عبدالبر اثری فلاحی

مدیر معاون
انیس احمد فلاحی

مشاورتی بورڈ

۱- مولانا سید جلال الدین عمری، شیخ الجامعہ و نائب امیر جماعت اسلامی ہند
۲- مولانا عبدالحسیب اصلاحی سابق مہتمم جامعۃ الفلاح
۳- مولانا سلامت اللہ اصلاحی سابق نائب صدر جامعۃ الفلاح
۴- مولانا نسیم غازی فلاحی (دہلی)
۵- مولانا رضوان احمد فلاحی (لندن)
۶- ڈاکٹر عبید اللہ فہد فلاحی (علی گڑھ)
۷- مولانا رحمت اللہ اثری فلاحی (صدر انجمن)

☆ سالانہ زر تعاون: 50.00 روپے
☆ خصوصی زر تعاون: 100.00 روپے
☆ بیرون ملک سے: 25.00 امریکی ڈالر

☆ طلبہ کے لئے: 40.00 روپے
☆ اعزازی زر تعاون: 1000.00 روپے
☆ اس شمارے کی قیمت: 30.00 روپے

ماہنامہ مجلہ حیات نو، جامعۃ الفلاح، بلریاگنج، اعظم گڑھ (یو، پی) 276121
Phone : 05466-25115

نقوش

اداریہ

اصل خراج تحسین مولانا کے مشن کی تکمیل — عبدالبر اثری فلاحی — ۳

حیات

شجرہ نسب — ۷

مولانا صدرالدین اصلاحی ایک نظر میں — انیس احمد فلاحی مدنی — ۸

تحریک سے عہد وفا باندھنے والے...... — رضوان احمد فلاحی — ۱۳

ہند میں عزت واقبال چاہتے ہو تو...... — سلیمان قاسمی — ۲۱

مجھے آج کی نہیں کل کی فکر ہے — عبدالبر اثری فلاحی — ۳۶

اول وقت میں نماز پابندی سے ادا کیا کرو — فرحین عفت — ۴۴

مولانا اور مدرسۃ الاصلاح — ابوعبیدالرحمن سعد فلاحی — ۴۸

مولانا اور مولانا مودودی — ابوسعد فلاحی — ۵۳

مولانا اور تحریک اسلامی — نظام الدین اصلاحی — ۶۷

مولانا اور جامعۃ الفلاح — عبدالبر اثری فلاحی — ۷۳

مولانا سنٹرل جیل بریلی میں — حکیم محمد اشرف علی قاسمی — ۸۳

مولانا کے اوصاف حسنہ — سلطان احمد اصلاحی — ۸۸

تاثرات (کہتی ہے تجھ کو خلق خدا غائبانہ کیا)

خط — میاں طفیل محمد — ۱۰۷

خط — نعیم صدیقی — ۱۰۹

خط — منور حسین — ۱۱۱

مولانا مودودی کے بعد سب سے بڑے مزاج شناس — شفیع مونس — ۱۱۴

مولانا کو قرآن کے مطالعہ، تدبر پر عبور حاصل تھا — حسنین سید — ۱۱۷

مولانا کی شفقت اور چھوٹوں سے محبت نے متاثر کیا — رفیق احمد قاسمی — ۱۱۹

مولانا کی شخصیت، فکر اور اسلوب کی کچھ جھلکیاں — عبدالباری شبنم سبحانی — ۱۲۲

مولانا اور ان کی علمی وفکری رہنمائی — عبدالرشید عثمانی — ۱۳۹

آہ! استاذ محترم مولانا صدرالدین اصلاحی — سید عبدالرحمن — ۱۳۸

قافلہ جماعت کا آخری حسین — عبدالعزیز سلفی فلاحی — ۱۵۳

تحریک اسلامی ہند کے گل سرسبد — عبدالحق فلاحی — ۱۷۱

مولانا صدرالدین اصلاحی — فتح محمد — ۱۸۱

موت العالم موت العالم — محمد رفیق — ۱۹۱

وہ یقیناً وارث انبیاء تھے — انعام الرحمن رفیقی — ۱۹۴

ماثورات

تفسیر "تیسیر القرآن" ایک مطالعہ — رضی الاسلام ندوی — ۱۹۶

مولانا کی تصانیف — ایک تعارف — الیاس احمد اعظمی — ۲۲۳

افکار اصلاحی تصانیف کے آئینے میں — محمد محی الدین ایوبی — ۲۳۷

"البیان" قلمی میگزین ایک نظر میں — ابوصادق کوثر فلاحی — ۲۴۹

مولانا کی تحریریں جو "ترجمان القرآن" میں شائع ہوئیں — ابوعبدالرحمن عمار فلاحی — ۲۵۳

مولانا کی تحریریں جو "زندگی" اور "تحقیقات اسلامی" میں شائع ہوئیں — رضی الاسلام ندوی — ۲۵۸

اسلام کا معاشی نظام اور مولانا صدرالدین اصلاحی — عبدالعظیم اصلاحی — ۲۶۶

مولانا صدرالدین اصلاحی بحیثیت متکلم — محمد عارف عمری اعظمی — ۲۷۴

برصغیر میں فکر اسلامی کے ارتقاء میں مولانا کا حصہ — ظفر شریف شہباز فلاحی ندوی — ۲۸۵

ڈاکٹر سید ضیاء الہدیٰ اور مولانا صدرالدین اصلاحی کی خط وکتابت — راشد نیر — ۲۹۵

مکاتیب — ۳۰۰

منظومات

حدیث غم فزا — کوثر اعظمی — ۳۱۷

بیاد صدرالدین اصلاحی — سخنور رفیقی — ۳۱۸

اصل خراج تحسین —— مولاناؒ کے مشن کی تکمیل

عبدالبر اثری فلاحی

یہ دنیا فانی ہے جہاں کسی کو قرار نہیں، جب وقت کے انبیاء و رسل آئے اور تک نہیں سکے تو ہما شما کس قطار میں ہیں۔ جس طرح اصل حیثیت ڈھانچے کی نہیں روح کی ہوتی ہے اسی طرح اصل حیثیت شخصی وجود کی نہیں بلکہ اس کے مشن و پیغام کی ہوتی ہے جو کبھی مردہ نہیں ہوتا۔ یہی حقیقت اللہ تعالیٰ نے درج ذیل آیت میں واضح فرمائی ہے:

وما محمد الا رسول قد خلت من قبله الرسل أفإن مات او قتل انقلبتم على اعقابكم ومن ينقلب على عقبيه فلن يضر الله شيئا وسيجزى الله الشاكرين (آل عمران: ۱۴۴)

اور محمد تو ایک رسول ہے ہو چکے اس سے پہلے بہت رسول پھر کیا اگر وہ مر گیا یا مارا گیا تو تم پھر جاؤ گے الٹے پاؤں اور جو کوئی پھر جائے گا الٹے پاؤں تو ہرگز نہ بگاڑے گا اللہ کا کچھ اور اللہ ثواب دے گا شکر گذاروں کو۔

اسی رمز کو نہ سمجھ پانے کی وجہ سے خاتم الانبیاء حضرت محمد ﷺ کی وفات کے وقت حضرت عمرؓ بے خود و مضطرب ہو گئے تھے اور ثانی اثنین حضرت ابوبکرؓ نے درج بالا آیت کی تلاوت کے ذریعہ اصل حقیقت آشکار فرما کر عمرؓ کے غم و اضطراب کو رفع کیا تھا اور انھیں اصل مشن کی تکمیل کی طرف رہنمائی فرمائی تھی۔

آج مولانا صدر الدین اصلاحیؒ ہمارے درمیان نہیں ہیں لیکن ان کا مشن باقی اور تشنۂ تکمیل ہے ہم سوگواروں کا اصل خراج تحسین یہی ہو سکتا ہے کہ ہم اس مشن کو لے کر آگے بڑھیں اور انجام تک پہنچائیں۔

مولانا کا مشن کیا تھا؟ انھوں نے کیسے اسے پایا تھا؟ کس طرح اس کی آبیاری کی تھی؟ اس راہ میں کن کن مراحل سے گذرے؟ اس کی خاطر کیا کیا؟ کیا کر سکے؟ کیا رہ

گیا؟ دنیا نے اسے کس نظر سے دیکھا؟ اہل دنیا پر اس کے کیا اثرات پڑے؟ وغیرہا یہ وہ پہلو ہیں جن کا جاننا اس مشن کو آگے لے کر چلنے والوں کے لئے انتہائی ضروری ہے اس لئے یہ احساس پیدا ہوا کہ مولانا کی حیات و خدمات پر ایک جامع دستاویزی خصوصی شمارہ منصۂ شہود پر آنا چاہئے۔ الحمد للہ حقیر کوششوں اور اہل علم و قلم اور متعلقین کے بے پایاں تعاون سے جو کچھ تیار ہو سکا حاضر خدمت ہے۔ گرچہ ہم نے اس خصوصی شمارے کے لئے جو خاکہ ترتیب دیا تھا متعدد اسباب سے اس پورے خاکے میں رنگ بھرنا ممکن نہیں ہو سکا۔ بالخصوص شخصیت پرستی کی ضد میں شخصیات کے واجبی احترام و ادائیگی حقوق کے تئیں تساہلی بلکہ لاپرواہی نے ہمارے یہاں جو راہ پائی ہے اس کے ساتھ ساتھ دیگر حکمتوں اور مصلحتوں کے نام پر ہمارے اچھے اچھے اہل قلم و اہل بصیرت ضروری حد تک لب کشائی و خامہ فرسائی سے گریزاں نظر آتے ہیں نتیجہ یہ ہے کہ ایک زبردست قیمتی تاریخی ورثہ سینہ بہ سینہ دفن ہوتا جا رہا ہے۔ واضح رہے کہ میں بھی تقدیس الرجال کے خلاف ہوں لیکن تقدیر الرجال سے بے توجہی کو باعث محرومی سمجھتا ہوں۔

اس خاکے کی بعض چیزیں تیار و فراہم ہونے کے باوجود دیگر وجوہ سے شامل نہیں کی جا رہی ہیں انشاء اللہ آئندہ حسب موقع و حسب گنجائش منظر عام پر آتی رہیں گی اس لئے اس کوشش کو حرف آخر نہ سمجھیں۔

ان سب کے باوجود یہ کوشش کس قدر کامیاب اور مفید ہے یہ فیصلہ تو آپ کریں گے البتہ ہماری خواہش ہے کہ اپنے فیصلوں اور مشوروں سے ہمیں بھی باخبر کریں تاکہ آئندہ کی منزلوں میں ہم ان سے استفادہ کر سکیں۔

ہمیں اس پر بھی افسوس ہے کہ بعض عوارض اور حادثات کی وجہ سے اس خصوصی شمارے کی دید کے لئے آپ کو ایک طویل صبر آزما انتظار سے گذرنا پڑا لیکن ظاہر ہے بندے کا منصوبہ کچھ ہوتا ہے اور اللہ کا منصوبہ کچھ ہوتا ہے اور ہر چیز اللہ کے منصوبے کے مطابق ہی انجام پاتی ہے۔ اس لئے اس کے آگے کسی اور چیز کا تذکرہ فضول ہے۔ بس دعا کریں اللہ ان عوارض کو دور فرمائے۔ اس طرح کے حادثات سے محفوظ رکھے تاکہ آئندہ آپ کو اس

طرح کی زحمتوں کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ آمین

ایک غم جو کوہ غم سے کم نہیں کہ ہمارے مدیر مسئول مولانا نور محمد صاحب فلاحی اسی دوران ۱۰ ارفروری ۲۰۰۰ء کو ہمیں یکہ وتنہا ''یتیم'' چھوڑ کر رب حقیقی سے جا ملے انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اب تک یہ تاب نہیں کہ اس غم کو سہار سکوں۔ گرچہ کافی دنوں سے مولانا بستر علالت پر تھے پھر بھی اس قدر جلد داغ مفارقت دے جائیں گے اس کا گمان نہ تھا اس حال میں بھی مولانا جس قدر فکر مند رہتے، جو تدبیریں بتاتے جو رہنمائی فرماتے اور جس محبت سے پیش آتے وہ انہیں کا حصہ تھا۔ اخیر وقت میں قوت گویائی نے ساتھ دینا چھوڑ دیا پھر بھی ایسے مسحور کن تبسم سے استقبال فرماتے کہ گویا مولانا کسی تکلیف ہی میں نہ ہوں بلکہ ملنے والا بھی مولانا کی حالت دیکھ کر جو تکلیف محسوس کرتا اسے چھپائے بغیر نہ رہ پاتا مولانا کی دیرینہ خواہش تھی کہ یہ خصوصی شمارہ جلد منظر عام پر آجائے لیکن شاید اسے دیکھنا اللہ نے آپ کے مقدر میں نہیں رکھا تھا خصوصی اشاعت اور دیگر پہلوؤں کو دیکھتے ہوئے جنبش قلم کو لگام دینا پڑ رہا ہے۔ انشاء اللہ اگلے شماروں میں مولانا مرحوم کی حیات وخدمات پر تفصیل سے روشنی ڈالی جائے گی۔ دعا فرمائیں اللہ مرحوم کی مغفرت فرمائے اعلیٰ علیین میں جگہ دے، پس ماندگان کو صبر جمیل کی توفیق عنایت فرمائے اور ہم ''یتیموں'' کو ان کا نعم البدل عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین

اس موقع سے میں ان بزرگوں، دوستوں اور بہی خواہوں کو ہدیہ تشکر پیش کرنا فرض سمجھتا ہوں جن کی توجہ، ہمت افزائی اور تعاون سے یہ خصوصی شمارہ پایۂ تکمیل کو پہنچا ورنہ ناچیز کے لئے یہ پہلا تجربہ تھا اور قدم قدم پر ہمت جواب دینے لگتی تھی اگر یہ مخلصانہ تعاون اور حوصلہ نہ ملا ہوتا تو شاید میں ہمت ہار بیٹھتا اس لئے یہ اصلاً ان کی کوششوں اور خلوص کا ثمرہ ہے اور جو خامیاں رہ گئی ہیں وہ میری بے بضاعتی اور ناتجربہ کاری کے سبب ہیں اس لئے تمام قارئین سے استدعا ہے کہ وہ ان خامیوں کی نشاندہی کے ساتھ ساتھ میرے علم وعمل میں ترقی کی دعا بھی فرمائیں تاکہ آئندہ میں خامیوں کی اصلاح کرسکوں، زلات سے محفوظ رہ سکوں اور مزید خدمت کے لائق بن سکوں۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

شجرہ نسب

سلطان بہلول لودی (۱۴۵۱-۱۴۸۸ء) کے زمانے میں یوسف زئی قبیلہ کے کچھ پٹھان افغانستان سے ہندوستان فروکش ہوئے تھے۔ شرقی سلطنت پر بہلول لودی کے حملہ کے دوران اسی خاندان کے سالار خان نے داد شجاعت پیش کی۔ اس کے صلہ میں انہیں سلطان کی جانب سے اس علاقہ میں تیس گاؤں (سی-دہ) عطا ہوئے اور انہیں کا مجموعہ سیدھا کہا جانے لگا جس کا ایک گاؤں سلطان پور آپ کا وطن ہے اور سالار خاں آپ کے جد امجد ہوتے ہیں۔

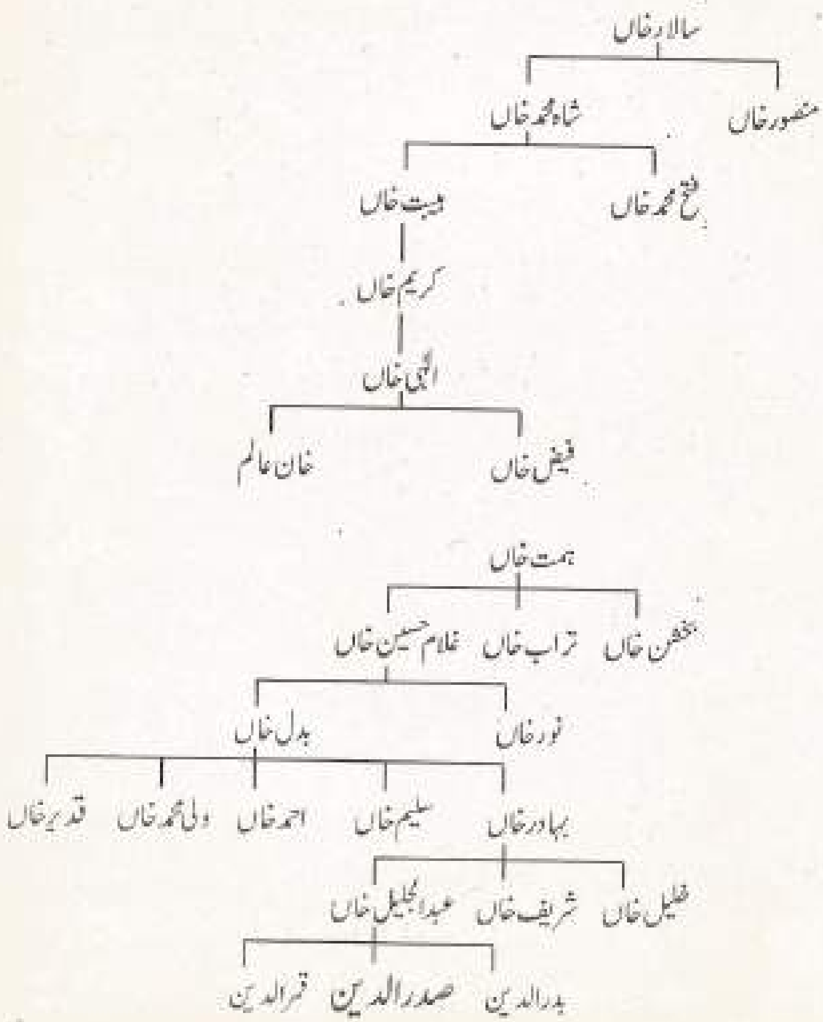

مولانا صدرالدین اصلاحیؒ ایک نظر میں

انیس احمد فلاحی مدنی
جامعۃ الفلاح بلریاگنج، اعظم گڑھ، یوپی

نام	صدرالدین
والد کا نام	حافظ عبدالجلیل خاں
والدہ کا نام	عمدۃ النساء
کنیت	ابوسعد (دور طالب علمی میں)
سلسلۂ نسب	افغانستان کے یوسف زئی خاندان سے جا کر ملتا ہے۔
تاریخ پیدائش	۱۹۱۷ء (بعض روایت ۱۹۱۶ء)
وطن	سیدھا سلطان پور، اعظم گڑھ، یوپی
نانیہال	بندول، اعظم گڑھ، یوپی
مستقل سکونت	پھولپور، اعظم گڑھ، یوپی (اخیر عمر میں)
تعلیم	لوئر پرائمری - سیدھا سلطان پور، اعظم گڑھ، یوپی
	اپر پرائمری بندول اعظم گڑھ
	مڈل بلریاگنج اعظم گڑھ
	عالمیت وفضیلت مدرسۃ الاصلاح سرائے میر اعظم گڑھ
	(تاریخ داخلہ مدرسۃ الاصلاح یکم نومبر ۱۹۲۹ء)
	(فراغت ۱۹۳۷ء)
	(۱۹۳۲ء میں چند ماہ دارالعلوم دیوبند میں تعلیم حاصل کی)
شادی	پہلی اہلیہ 'خدیجہ' کوئیلاڑی اعظم گڑھ (شادی کے کچھ ہی دنوں بعد انتقال)
	دوسری اہلیہ ہاجرہ بیگم بلیا کلیان پور ہنگٹ، اعظم گڑھ، یوپی
تدریسی سفر	مکتب کوہنڈہ اعظم گڑھ یوپی

	دارالعلوم جمعیۃ العلماء رنگون (برما) (جون ۱۹۴۱ء تا دسمبر ۱۹۴۱ء)
	مدرسۃ الاصلاح سرائے میر اعظم گڑھ (۱۹۳۶ء تا ۵ فروری ۱۹۵۰ء)
	ثانوی درس گاہ رام پور، یوپی (از تشکیل تا تحلیل)
تحریکی سفر	ذہن سازی دور طالب علمی میں قرآن اور مولانا فراہیؒ کی تصانیف سے
	تعارف مولانا مودودیؒ ۱۹۳۷ء
	رفاقت مولانا مودودیؒ ۱۹۳۸ء
	تحریک اسلامی کے نقش اول "تحریک دارالاسلام" کی تاسیسی رکن جس کی تاسیس ۱۹۳۹ء میں ہوئی تھی۔
	تحریک اسلامی کے نقش ثانی یعنی جماعت اسلامی کی تشکیل کے وقت بوجوہ غیر حاضری کے باوجود سابق وابستگی کی بنیاد پر مولانا مودودیؒ نے وابستہ قرار دیا اور رکن تاسیسی سمجھے گئے۔
	مرکز جماعت میں شعبۂ تصنیف وتالیف کے لئے انتخاب اور چند ماہ کام
	تشکیل جدید جماعت اسلامی ہند کے لئے تگ ودو اور اجتماع ارکان منعقدہ الہ آباد (۱۶-۱۸ اپریل ۱۹۴۸ء) میں شرکت اور بحیثیت رکن شوریٰ انتخاب
	مرکز جماعت اسلامی ہند ملیح آباد میں شعبۂ تصنیف وتالیف کی ذمہ داری کی حیثیت سے انتخاب
	۱۹۵۴ء میں امیر جماعت مولانا ابواللیث صاحب کی اسیری کے سبب ہنگامی حالات میں بحیثیت امیر انتخاب نیز وقتاً فوقتاً قائم مقام امیر جماعت کی ذمہ داریاں سنبھالیں تاحیات رکن رہے اور فکری رہنمائی کا فریضہ انجام دیتے رہے۔
تصنیفی سفر	"البیان" (قلمی میگزین) کی ادارت مارچ ۱۹۳۵ء تا دسمبر ۱۹۳۵ء
	معاونت مولانا مودودیؒ ماہنامہ ترجمان القرآن لاہور

سرپرست سہ ماہی تحقیقات اسلامی علی گڑھ
رفیق شعبہ تصنیف مرکز جماعت اسلامی چند ماہ (تقسیم سے قبل)
ذمہ دار شعبۂ تصنیف جماعت اسلامی ہند ۱۹۵۰ء تا ۱۹۸۴ء (مختلف شکلوں میں)

تصانیف
۱۔ دین کا قرآنی تصور ۲۔ فریضہ اقامت دین ۳۔ اساس دین کی تعمیر ۴۔ معرکہ اسلام و جاہلیت ۵۔ اسلام اور اجتماعیت ۶۔ مسلمان اور امامت کبریٰ ۷۔ حقیقت نفاق ۸۔ قرآن مجید کا تعارف ۹۔ اسلام ایک نظر میں ۱۰۔ راہ حق کے مہلک خطرے ۱۱۔ نکاح کے اسلامی قوانین ۱۲۔ دین کا مطالعہ ۱۳۔ یکساں سول کوڈ اور مسلمان ۱۴۔ مسلم پرسنل لا دینی وملی نقطۂ نظر سے ۱۵۔ مسلمان اور دعوت اسلام ۱۶۔ تحریک اسلامی ہند ۱۷۔ اسلامی نظام معیشت ۱۸۔ اختلافی مسائل میں اعتدال کی راہ (ترجمہ)، ۱۹۔ حقیقت عبودیت (ترجمہ) ۲۰۔ تلخیص تفہیم القرآن ۲۱۔ تیسیر القرآن وغیرہا

ذمہ داریاں
امیر جماعت اسلامی ہند ۱۹۵۴ء
صدر ادارہ تحقیق وتصنیف اسلامی علی گڑھ (۱۹۸۱ء تا ۱۹۸۴ء)
ناظم ثانوی درس گاہ رامپور (از تشکیل تا تحلیل)
ناظم جامعۃ الفلاح بلریا گنج اعظم گڑھ یوپی (۱۸ر اپریل ۱۹۸۳ء تا ۳ر مئی ۱۹۹۰ء)
صدر انجمن طلبہ قدیم مدرسۃ الاصلاح سرائے میر اعظم گڑھ ۱۳ر جون ۱۹۹۱ء تا ۱۷ر اکتوبر ۱۹۹۷ء)
تاسیسی ممبر مسلم پرسنل لا بورڈ
تاسیسی ممبر مسلم مجلس مشاورت
تاسیسی ممبر اسلامک ریسرچ فاؤنڈیشن لندن

تاسیسی ممبر دعوت ٹرسٹ دہلی
ممبر مجلس تعلیمی مدرسۃ الاصلاح سرائے میر اعظم گڑھ ۲ر فروری ۱۹۶۹ء (تاحیات)
ممبر مجلس انتظامیہ مدرسۃ الاصلاح سرائے میر اعظم گڑھ ۱۵ر جنوری ۱۹۷۸ء (تاحیات)
مجلس تعلیمی جامعۃ الفلاح بلریا گنج اعظم گڑھ ۲۹ر جولائی ۱۹۷۲ء (تاحیات)
مجلس انتظامیہ (شوریٰ) ۱۳ر اپریل ۱۹۷۵ء (تاحیات)

اسیری
پہلی بار ۱۹۵۴ء تا ۱۹۵۵ء (تقریباً سال بھر)
دوسری بار جولائی ۱۹۷۵ء تا مارچ ۱۹۷۷ء (ایمرجنسی)

سفر حج
۱۹۷۷ء

اہلیہ کی وفات
۱۴ر اگست ۱۹۸۸ء

تاریخ وفات
۱۳ر نومبر ۱۹۹۸ء (نماز جنازہ مولانا رفیق احمد قاسمی صاحب نے پڑھائی)

اہم اساتذہ
مولانا اختر احسن صاحب اصلاحیؒ، مولانا نجم الدین صاحب اصلاحیؒ، مولانا شبلی ندوی متکلمؒ، مولانا حکیم محمد احمد لبراویؒ، مولانا محمد سعید ندویؒ، مولانا امین احسن اصلاحیؒ، مولانا عبدالصمد صاحب ندویؒ وغیرہم

وہ شخصیات جن سے آپ متاثر ہوئے
علامہ ابن تیمیہؒ، شاہ ولی اللہ دہلویؒ، مولانا حمید الدین فراہیؒ، مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ، علامہ اقبالؒ

اولاد
لڑکے: ۱۔ ڈاکٹر افتخار احمد ۲۔ رضوان احمد فلاحی ۳۔ ڈاکٹر فرحان احمد فلاحی
لڑکیاں: ۱۔ فیروزہ بانو ۲۔ کوثر تبسم ۳۔ ایمن ترنم ۴۔ ثریا تزئین ۵۔ نسرین فرحت ۶۔ تسنیم نزہت ۷۔ فرحین عفت
(ایک لڑکا اخلاق احمد اور ایک لڑکی ثریا اپنے بچپن ہی میں اللہ کو پیارے ہو گئے تھے)

اہم تلامذہ

۱۔ مولانا عبدالحسیب اصلاحی ۲۔ مولانا نظام الدین اصلاحی ۳۔ مولانا شبیر احمد اصلاحی ۴۔ مولانا صغیر احسن اصلاحی ۵۔ مولانا محمد ایوب اصلاحی ۶۔ مولانا ضیاء الدین اصلاحی ۷۔ مولانا احمد محمود کوثر اعظمی اصلاحی ۸۔ ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی ۹۔ ڈاکٹر فضل الرحمان فریدی ۱۰۔ ڈاکٹر عبد الباری شبنم سبحانی ۱۱۔ ڈاکٹر عبدالحق انصاری ۱۲۔ ڈاکٹر اشفاق احمد وغیرہم

Regn. No. : 000103/DEL/PER/100+/3/1263/84

وكالة الهند للخدمات الأجنبية

Al-Hind Foreign Service Agency

AUTHORISED RECRUITING AGENTS

مڈل ایسٹ ممالک میں ملازمت کے خواہش مند حضرات کے لئے ایک قابل اعتماد ادارہ

الہند فارن سروس ایجنسی

●اگر آپ میڈیکل لائن سے متعلق ہیں ●اگر آپ کوئی ہنر جانتے ہیں
●اگر آپ صرف پڑھے لکھے ہیں اور آپ کے پاس کوئی ہنر نہیں ہے
●اگر آپ کا کسی ہوٹل انڈسٹری سے تعلق ہے ●اگر عام لیبر (مزدور) ہیں

تو آپ اپنے پاسپورٹ کی کاپی، فوٹو اور بائیوڈاٹا ہمیں بھیج دیجئے اور
دیگر تفصیلات کے لئے ہماری اطلاع کا انتظار کیجئے

Al-Hind Foreign Service Agency

205-210, Thapar Chambers II, Ring Road
Opp. Kalindi Colony, New Delhi - 110 014 (India)
Telex : 3175221-SIDQ IN Tel. : 6842786, 6843788, 6919126
Fax : 11-6843797, 6919127 Cable : SIDQIN NEW DELHI
e-mail : alhind@del2.vsnl.net.in

"تحریک سے عہد وفا باندھنے والے اپنی صلاحیتیں اور قوتیں اسی کے لئے وقف رکھیں"

ذیل میں والد مرحوم کا وہ تحریری انٹرویو ہے جو انہوں نے تحریک اسلامی کے ملیالم جریدہ "پربودھنم" کو آٹھ سال قبل دیا تھا۔ انٹرویو کے آخر میں ۱۴/۱۲ اکتوبر ۱۹۹۱ء کی تاریخ درج ہے جیسا کہ انٹرویو کی ابتدائی سطور سے واضح ہے۔ پربودھنم کے مدیر محترم انٹرویو کے لئے خود تشریف لائے تھے لیکن اس ملاقات میں وہ انٹرویو نہیں لے سکے جوابات سے اندازہ ہوتا ہے کہ سوالات مرتب کر کے دے دئے گئے تھے جن کے جوابات بعد میں والد مرحوم نے ڈاک سے بھیج دئے تھے۔ والد مرحوم کے کاغذات میں یہ تحریری انٹرویو تو ملا البتہ سوالات نہیں مل سکے ممکن ہے انہوں نے انہیں خود تلف کر دیا ہو۔ خطوط کے معاملہ میں آپ بہت محتاط تھے ایسے خطوط جو افراد کے ذاتی معاملات یا جماعتی اہم اور رازدارانہ امور پر مشتمل ہوتے تھے آپ انہیں بالعموم ضائع کر دیتے تھے تاکہ غیر متعلق افراد تک وہ نہ پہونچ سکیں آپ کے کاغذات میں صرف یہ انٹرویو "مسودات" کے ذیل میں آتا ہے۔

"اس انٹرویو میں دو ایک جگہ والد مرحوم نے مولانا مودودیؒ کے خطوط کا ذکر کیا ہے جس خط میں "مسلمان اور امامت کبریٰ" کی رسید اور اس پر تحسین کا ذکر ہے اس کا عکس بھی شائع کیا جا رہا ہے۔ والد مرحوم کے نام مولانا مودودی مرحوم کے چند خطوط ہیں جو مستقبل قریب میں انشاء اللہ کتابی شکل میں شائع ہوں گے۔

اس انٹرویو پر بعض توضیحی حواشی راقم السطور کی جانب سے ہیں۔

رضوان فلاحی

برادر عزیز! السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔

اگرچہ ابھی تک اسی حال میں ہوں جس حال میں آپ مجھے دیکھ کر گئے تھے۔ اس لئے کچھ لکھنا بہت مشکل معلوم ہو رہا ہے مگر چونکہ آپ اتنا لمبا سفر کر کے انٹرویو کے لئے

تشریف لائے تھے اس لئے طبیعت کو یہ بھی گوارا نہیں کہ آپ سے کلیۃً معذرت کر دوں۔ لہذا بستر علالت پر لیٹا لیٹا جو کچھ لکھ سکا ہوں، ارسال کر رہا ہوں۔ مل جانے پر وصول یابی کی اطلاع ضرور دے دیجئے گا۔ آپ کے کچھ سوالوں کا جواب میں نے غیر ضروری یا خلاف مصلحت سمجھ کر نہیں دیا ہے۔ بہتر ہوتا اگر آپ میرے جوابوں کا ملیالم میں ترجمہ کر کے میرے یہ صفحات واپس بھیج دیتے۔

والسلام صدرالدین

سوالات کے جوابات ترتیب وار درج ذیل ہیں:

۱۔ میرے بڑے اور اہم اساتذہ۔ مولانا محمد سعید صاحب ندوی، مولانا عبدالصمد صاحب ندوی، مولانا حکیم محمد احمد صاحب اہل حدیث عالم دین، مولانا شبلی ندوی متکلم، مولانا اختر احسن اصلاحی (رحمہم اللہ اجمعین) اور مولانا امین احسن صاحب اصلاحی اطال اللہ بقاءہ

۲۔ یہ بات صحیح نہیں ہے کہ مجھے امام المفسرین مولانا حمید الدین فراہیؒ سے تلمذ کی سعادت حاصل ہوئی تھی۔ میں نے (داخلہ تاریخ یکم نومبر ۱۹۲۹ء) میں جب مدرسۃ الاصلاح میں داخلہ لیا تھا تو یہ داخلہ اردو اور فارسی درجات کا داخلہ تھا عربی تعلیم میری ابھی شروع بھی نہ ہو سکی تھی کہ چند ماہ قبل ہی مولانا اللہ تعالیٰ کے جوار رحمت میں پہونچ گئے۔ اس لئے براہ راست استفادے کا کوئی سوال ہی نہیں باقی رہ سکا تھا ان کے علم اور دینی افکار سے جو کچھ بھی استفادہ کیا وہ تمام تر بالواسطہ ہی تھا یعنی ان کی مطبوعہ اور غیر مطبوعہ تصانیف اور افادات کے گہرے مطالعے سے یا پھر ان اساتذہ کے درس کے ذریعہ جو مولانا سے براہ راست کسب فیض کئے ہوئے تھے۔

مولاناؒ کے بارے میں قابل ذکر باتیں ایک دو نہیں بے شمار ہیں تفصیل میں اگر جایا جائے تو ایک ضخیم مجلد بھی شاید کفایت نہ کر سکے۔ ان کے انتقال کے بعد مولانا عبدالماجد صاحب دریابادیؒ نے 'صدق' میں جو تعزیتی نوٹ لکھا تھا اس کا عنوان تھا "موت العالم موت العالم" مولانا ابوالکلام مرحوم کے تعزیتی الفاظ کچھ اس طرح کے تھے "ان سے ملنے پر یہ اندازہ کرنا مشکل ہوتا کہ ان کا علم ان کے تقوے سے زیادہ ہے یا ان کا تقویٰ ان کے علم سے زیادہ ہے" ان کی مجتہدانہ فکر، دینی بصیرت اور قرآن فہمی کا تذکرہ کرتے ہوئے مولانا مودودیؒ نے

میرے سامنے فرمایا کہ "مولانا فراہی نے لوگوں کو انقلاب اسلامی کے دروازے پر لا کر کھڑا کر دیا تھا" میرے نزدیک یہ ساری باتیں حقیقت اور صداقت پر مبنی ہیں۔

۳۔ میرے اندر تحریر اور تصنیف کا داعیہ ایک تو اس لئے پیدا ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا کچھ فطری ذوق اور رجحان عطا فرما رکھا تھا دوسرے اس لئے کہ میری طالب علمی کے زمانے میں مدرسۃ الاصلاح کی فضا اس ذوق اور رجحان کو پروان چڑھانے کے لئے بہت سازگار تھی۔

۴۔ مولانا مودودیؒ سے میرا غائبانہ تعارف "ترجمان القرآن" کے ذریعہ اسی وقت ہو چکا تھا جب وہ حیدر آباد میں تھے اور میں مدرسۃ الاصلاح میں زیر تعلیم تھا۔ ہوا یہ کہ میں نے اپنی طالب علمی کے آخری ایام میں ایک طویل مضمون لکھا اور اسے مولانا کی خدمت میں حیدر آباد ارسال کر دیا۔ عنوان اس مضمون کا تھا "مسلمان اور امامت کبریٰ" مولانا نے مضمون کے موصول ہو جانے کی نہ صرف رسید[1] ارسال فرمائی بلکہ اس کی تحسین بھی کی:

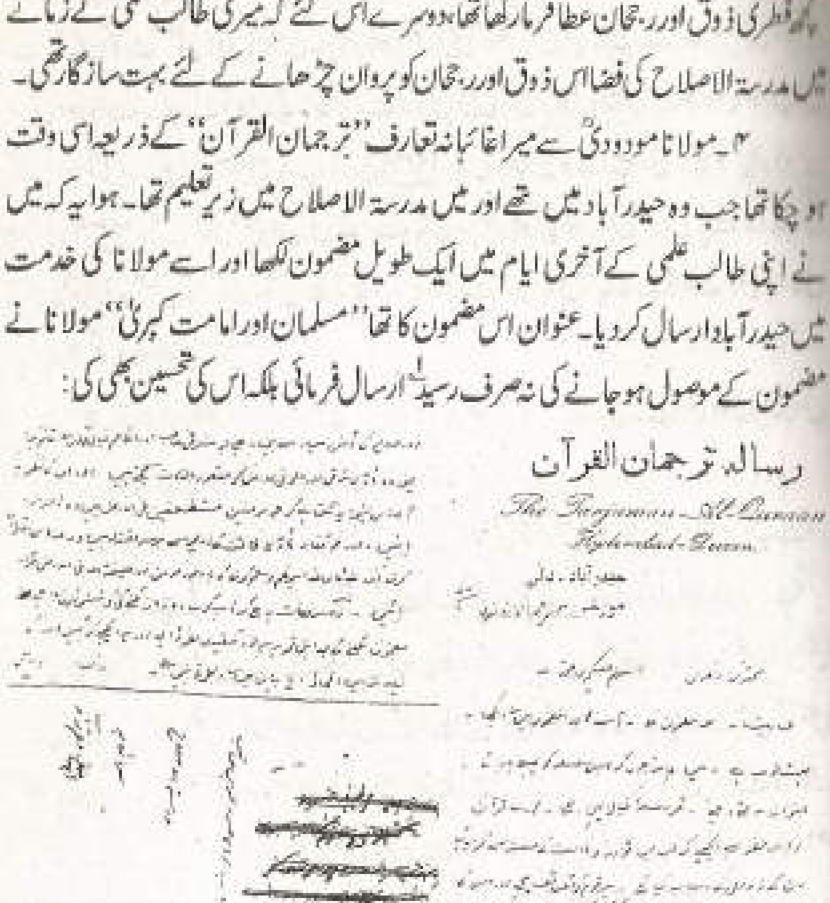

[1] یہاں جس رسید کا ذکر ہے وہ مولانا مودودیؒ مرحوم کا والد صاحب کے نام خط ہے جو ۳ ر جمادی الاخریٰ ۶۵ھ کو تحریر کیا گیا ہے۔ (دیکھئے خط کا عکس)

اور پھر ترجمان القرآن کی مسلسل تین اشاعتوں جلد ۱۰ عدد ۵۔۶۔۷ میں اسے ہوں کا توں شائع کر دیا۔ع

بعد میں انہوں نے اپنے ایک گرامی نامہ میں مجھے تحریر فرمایا کہ میں جلد ہی حیدر آباد سے پٹھان کوٹ منتقل ہو رہا ہوں۔ بہتر ہوتا کہ اپنی تعلیم مکمل کر لینے کے بعد تم بھی وہاں میری معاونت کے لئے آ جاتے۔ ظاہر ہے کہ اس پیش کش کو قبول نہ کرنے کا کوئی سوال ہی نہیں ہو سکتا تھا۔ چنانچہ مولانا جب مارچ ۱۹۳۸ء میں پٹھان کوٹ پہونچ گئے تو کچھ دنوں بعد مئی ۱۹۳۸ء میں میں بھی ان کی خدمت میں حاضر ہو گیا اور اس طرح پہلے کا ابتدائی غائبانہ تعارف مکمل تعارف، یعنی رفاقت اور مصاحبت میں بدل گیا۔ یہ رفاقت کوئی ڈھائی سال رہی مگر دو قسطوں میں۔

۵۔ ترجمان القرآن کے لئے میں مضامین لکھتا، تبصرے کے لئے آئی ہوئی کتابوں پر تبصرہ کرتا جو ترجمان القرآن میں شائع ہوتا رہتا۔

۶۔ "دارالسلام" نام کا تو کوئی ادارہ یا کوئی تنظیم کبھی قائم نہیں کی گئی تھی نہ ہی "حیات نو" نام کا کوئی رسالہ جاری ہوا تھا "دارالسلام" سے آپ کی مراد غالباً "ادارۂ دارالاسلام" ہے اگر میرا یہ خیال صحیح ہے تو میں آپ سے گذارش کروں گا کہ اس ادارے کے قیام کا پس منظر، اس کی تاریخ، اس کے اغراض و مقاصد اور اس کے ارکان وغیرہ بھی امور کے بارے میں تفصیلی معلومات ترجمان القرآن جلد ۱۳ عدد ایک میں موجود ہیں۔ اس رسالے کو حاصل کر کے ملاحظہ فرمالیں۔ میں یہاں مختصراً صرف اتنا عرض کر دینے پر اکتفا کروں گا کہ اس ادارہ کا باضابطہ قیام ۱۹ رشعبان ۱۳۵۷ھ مطابق ۱۴ را کتوبر ۱۹۳۸ء کو جمعہ کے دن عمل میں آیا تھا قیام کے وقت اس کے ارکان کی تعداد کل پانچ تھی اس کے قبل اس کا دستور ایک مشاورتی اجتماع میں جو ۱۷ رشعبان سے ۱۹ رشعبان کی سہ پہر تک جاری رہا تھا، پوری بحث و تمحیص کے بعد منظور ہو چکا

ع مذکورہ بالا مقالہ کتابی شکل میں شائع ہو گیا ہے۔ اسے تعمیر ملی پبلیکیشنز دہلی نے اگست ۱۹۹۸ء میں شائع کیا ہے کتاب والد مرحوم کی زندگی ہی میں مرتب ہو کر چھپ چکی تھی تاہم ان کی زندگی میں ان تک پہونچ نہیں سکی تھی اس کا دوسرا ایڈیشن بھی شائع ہو گیا ہے۔

لہٰذا اس ادارے کا نصب العین الفاظ کے ظاہری فرق کے باوجود وہی تھا جو ۱۹۴۱ء میں جماعت اسلامی کی تاسیس کے وقت اس کا نصب العین قرار دیا گیا تھا چنانچہ اس کے الفاظ یہ تھے:

"اس ادارے کا مقصد وحید اعلاء کلمۃ اللہ ہے، یعنی قانون اسلامی کو غیر اسلامی قوانین پر عملاً غالب کرنا"۔

۷۔ ۱۹۴۱ء میں میں ملک کے اندر موجود نہیں تھا اس لئے اگست ۱۹۴۱ء کے جس اجتماع میں جماعت اسلامی کی تاسیس عمل میں آئی تھی اس میں میری شرکت نہیں ہو سکی تھی لہٰذا آپ کے اس سوال کا جواب نہیں دے سکتا۔

۸۔ ۱۹۴۱ء جنگ آزادی کے شباب کا زمانہ تھا۔ پورا ملک اور اس کے سبھی فرقے انگریزی حکومت کے خلاف اپنے اپنے انداز میں اٹھ کھڑے ہوئے تھے اور اب اس امر میں کسی کو شبہ نہیں رہ گیا تھا کہ انگریز بہادر کے دن اب پورے ہو چکے ہیں جلد ہی ملک آزاد ہو جائے گا ایسی حالت میں جنگ آزادی میں آنکھیں بند کر کے مصروف جدوجہد رہنے سے زیادہ اہم مسئلہ کم از کم ملت اسلامیہ کے لئے، یہ پیدا ہو گیا تھا کہ آزادی کے بعد جو عیاناً سامنے آتی دکھائی دے رہی ہے، ملک کا نیا سیاسی معاشی، تعلیمی اور تہذیبی نقشہ کیا ہو گا اور اس میں مسلمانوں کی بحیثیت مسلمان کیا پوزیشن ہو گی۔ اس وقت کی سیاسی جماعتوں اور تنظیموں کا جو انداز فکر و عمل تھا وہ اسلامی نقطۂ نگاہ سے سخت پریشان کن اور مخدوش تھا۔ بانی جماعت اسلامی کو اس صورت حال نے پوری شدت سے اپنی طرف متوجہ کیا، چنانچہ ترجمان القرآن میں انہوں نے اس سلسلہ میں مسلسل لکھنا شروع کیا اور وضاحت سے بتایا کہ آزاد ہندوستان میں مسلمانوں کی کیا حیثیت ہونا چاہئے اور اس حیثیت کو حاصل کرنے کے لئے انہیں فکر اور عمل کا کون راستہ اختیار کرنا چاہئے "موجودہ کشمکش اور مسلمان" میں یہ پوری تفصیل دیکھی جا سکتی ہے۔ پہلے "ادارہ دارالاسلام" اور پھر "جماعت اسلامی" کی تاسیس اسی سلسلہ کا نقطۂ عروج تھا۔

۹۔ تقسیم ہند کی تجویز سے جماعت اسلامی اصولاً متفق نہیں تھی لیکن جب یہ تقسیم عمل میں آ ہی گئی تو ایک امر واقعی کی حیثیت سے اسے بالآخر تسلیم نہ کرنے کا کوئی سوال ہی نہیں رہ گیا تھا۔

۱۰۔ جی ہاں، دشواریاں بہت پیش آئی تھیں مدراس کا واقعہ اس کا واضح ثبوت ہے مگر یاد رکھنا چاہئے کہ یہ اس مسلم لیگ کی بات ہے جو ۱۹۴۷ء سے قبل کی مسلم لیگ تھی۔

۱۱۔ تقسیم ہند کے بعد میرے ہندوستان ہی میں رہ جانے کی وجہ یہ تھی کہ میں اگست ۱۹۴۷ء میں پٹھان کوٹ میں موجود نہیں تھا بلکہ تقریباً سوا سال سے مدرسۃ الاصلاح میں معلمی کے فرائض انجام دے رہا تھا۔ پٹھان کوٹ سے مدرسۃ الاصلاح میں ۱۹۴۶ء میں مولانا مودودی کی ہدایت کے تحت اور جماعتی ضرورت ہی سے منتقل ہوا تھا اور یہ منتقلی بالکل عارضی نوعیت کی تھی۔ مدرسۃ الاصلاح میں کسی متبادل نظم کے ہو جانے کے بعد میرا واپس پٹھان کوٹ جانا طے شدہ تھا۔ لیکن قبل اس کے کہ ایسا ہوتا تقسیم ہند کا طوفان کھڑا ہو گیا اور میرے واپس جانے کا کوئی سوال ہی باقی نہ رہ گیا۔ اگرچہ بعد میں میرے دو ایک احباب نے مجھے پاکستان منتقل ہو جانے کے لئے وہاں سے بہت زور دیا مگر میں نے ان کے مشوروں کو قبول نہیں کیا۔

۱۲۔ جماعت اسلامی ہند نے اپنی تشکیل (۴۸ء) کے بعد اپنے اجلاس شوریٰ میں دن بھر کی بحث و تمحیص کے بعد اپنے نصب العین کی تعبیر کے لئے حکومت الٰہیہ کی جگہ اقامت دین کے الفاظ اختیار کر لینے کا فیصلہ کیا۔ یہ صرف لفظوں کی تبدیلی تھی معنی و مطلوب کی تبدیلی ذرا بھی نہیں تھی۔ پھر بعد میں جماعت اسلامی پاکستان نے بھی اسی تعبیر ''اقامت دین'' کو اختیار کر لیا تھا۔ یہ لفظی تبدیلی جس بنا پر کی گئی وہ جماعت اسلامی ہند کے دستور (۴۸ء یا ۴۹ء میں شائع شدہ) میں نیچے فٹ نوٹ میں درج ہے۔

۱۳۔ جماعت اسلامی کے کارکن بننے کے لئے ایسی سرکاری یا غیر سرکاری نوکریوں کا چھوڑنا شرط تھا اور اب بھی ہے اور ہمیشہ رہے گا جن کی خدمات کی انجام دہی میں محذورات شرعیہ کا ارتکاب کرنا پڑتا ہو، رہیں دوسری نوکریاں، مثلاً ریل، ڈاک، تعلیم جیسے محکموں کی نوکریاں، تو ان کی نوعیت دوسری ہے، اس لئے رکنیت کے لئے انہیں ترک کر دینا ضروری نہیں ہے ویسے ضابطے کی بات تو اگرچہ یہی ہے مگر جماعت اور تحریک اسلامی کا منشا تو یہی چاہتا ہے اور اس تحریک کی رکنیت کا مزاج حقیقی تو مطالبہ یہی کرتا ہے کہ اس تحریک سے عہد وفا باندھنے والے اپنی صلاحیتیں اور قوتیں اسی کے لئے وقف رکھیں۔

۱۴۔ میں جیلوں میں کوئی پونے تین برس نظر بند رہا پہلے ۵۴، ۵۵ء میں ایک سال تک گورکھپور جیل کے اندر، پھر دوسری بار ایمرجنسی کے دوران جولائی ۷۵ء سے مارچ ۷۷ء تک اعظم گڑھ، بریلی اور نینی (الٰہ آباد) کی جیلوں میں۔ گورکھپور جیل میں بہت آرام اور سکون سے دن گذرے، جیل کا عملہ بہت احترام سے پیش آتا تھا صحت بھی بہت اچھی ہو گئی تھی۔ مگر ایمرجنسی کے دوران کی نظر بندی خاصی تکلیف دہ رہی، جس کی خاص اور بڑی وجہ یہ تھی کہ میری موجودہ پچیس سالہ بیماری کا چند سال قبل ہی آغاز ہو چکا تھا۔

جیل کی تو بہت سی باتیں قابل ذکر ہیں، کچھ پسندیدہ کچھ ناپسندیدہ۔ مگر اس داستان گوئی کے لئے اس وقت طبیعت آمادہ نہیں۔

۱۵۔ جماعت اسلامی نے پچاس برسوں میں جو خدمات انجام دی ہیں اور جو انجام نہیں دے سکی ہے اس کا پورا ریکارڈ تو آپ کے سامنے بھی موجود ہی ہے مجھ سے معلوم کرنا اور سننا کیوں ضروری سمجھتے ہیں؟

۱۶۔ حاجی وی پی محمد علی صاحب مرحوم و مغفور جماعت اسلامی کے ان وابستگان میں سے تھے جو مجھے بہت یاد آتے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں غریق رحمت کرے۔ بڑی خوبیوں کے مالک تھے۔ دعوتی لگن، صاف گوئی خوش خلقی اور جفاکشی میں اپنی نظیر آپ تھے ان سے میری پہلی ملاقات کب ہوئی یہ بات تو اس وقت یاد نہیں رہ گئی ہے مگر جماعت اسلامی ہند کی تشکیل کے بعد وہ تادم آخریں اس کی شوریٰ کے رکن رہے تھے اس لئے جب وہ شرکت اجلاس شوریٰ کے لئے آتے برابر ملاقاتیں ہوا کرتی تھیں۔

۱۷۔ میری تاریخ پیدائش تو کہیں درج نہیں ملی۔ سن پیدائش غالباً ۱۹۱۶ء ہے۔

تعلیم کی بات یہ ہے کہ میں نے مڈل اسکول (موجودہ جونیر ہائی اسکول) بلریا گنج سے پاس کیا پھر ۱۹۲۹ء میں مدرسۃ الاصلاح میں داخلہ لیا اور وہاں سے ۱۹۳۷ء میں سند فراغت حاصل کی۔

میں نے اپنے لڑکوں اور لڑکیوں میں سے ہر ایک کو اعلیٰ تعلیم دلائی بڑے لڑکے نے رامپور کی ثانوی درسگاہ سے فارغ ہونے کے بعد طب کی تعلیم حاصل کی اور اب ایک مدت

سے پریکٹس کررہا ہے منجھلا لڑکا رضوان احمد فلاحی جامعۃ الفلاح سے فراغت کے بعد جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ مزید تعلیم کے لئے گیا وہاں کی تعلیم کی تکمیل کے بعد سے یوکے اسلامک مشن (لندن) سے منسلک ہے۔ چھوٹا لڑکا فرحان احمد فلاحی (علیگ) جامعۃ الفلاح سے فارغ ہوکر اور اس کے بعد مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے اکنامکس میں ایم اے کرکے اس وقت اسلامک انٹرنیشنل یونیورسٹی اسلام آباد میں پی ایچ ڈی کررہا ہے۔

والسلام

صدرالدین اصلاحی

۱۲/اکتوبر ۱۹۹۱ء

نوٹ: میں نے اوپر جو کچھ لکھا ہے، قلم برداشتہ لکھا ہے نظر ثانی بھی نہیں کرسکا اس لئے غلطیاں ہوسکتی ہیں۔

۱؎ یا ۱۹۱۱ء۔ مدرسۃ الاصلاح کے ریکارڈ میں داخلہ تاریخ یکم نومبر ۱۹۲۹ء درج ہے اور یہ کہ داخلہ کے وقت عمر ۱۳سال، اس اعتبار سے سن پیدائش ۱۹۱۱ء قرار پاتی ہے۔

علامہ صدرالدین مرحوم کی یاد میں

ایس، اکرم شاکر

ظلمتوں کی شب میں وہ اک چراغ طور تھا — کیا بیاں ہو وہ تو بس علم و فن کا نور تھا
وہ افق سے گم ہوا تو غم سے میں بھی چور تھا — اک طرف غروب تھا تو اک طرف ظہور تھا
اتنا عرض کرکے وہ رب سے جاکے مل گیا — اتنے دن الٰہی میں کیسے تجھ سے دور تھا
لاکھ آندھیاں چلیں غم کی وادیاں ملیں — بے خطر ہی طے کیا کس نشہ میں چور تھا
کیا ہی خوش خصال تھا کیا ہی خوش مقال تھا — صاحب نظر بھی تھا صاحب شعور تھا
بس کہ وہ وقار تھا مکتب جدید کا — بزم کا وہ ناز تھا فخر تھا غرور تھا

ہند میں عزت و اقبال چاہتے ہو تو ......

جماعت اسلامی کے بلند پایہ مصنف و مفکر

مولانا صدرالدین صاحب اصلاحی سے ایک خوشگوار ملاقات

ملاقاتی: مولانا محمد سلیمان فرخ آبادی قاسمی

مولانا مرحوم کی زندگی کے بہت سے گوشے اور مختلف اہم و نازک مسائل پر آپ کے خیالات اس انٹرویو سے روشنی میں آتے ہیں اس لئے اسے ماہنامہ ذکری رام پور کے سالنامہ ستمبر ۱۹۷۳ء سے نقل کیا جارہا ہے۔ (مدیر)

پروگرام کے مطابق ذکری کے لئے انٹرویو لینے کی فکر میں تھا رام پور کی کئی بڑی بڑی شخصیتیں ذہن میں آئیں اور ہر ایک کی خوبیوں سے ذکری کے دامن کو بھرنے اور اسے چار چاند لگانے کے لئے دل مچلنے لگا ایک بزرگ سے بالواسطہ گفتگو بھی شروع کررکھی تھی کہ اچانک ایک نعمت غیر مترقبہ ہاتھ آگئی۔ ہوا یہ کہ مولانا صدرالدین اصلاحی صاحب رکن شوریٰ جماعت اسلامی ہند جو تحریک اسلامی کے مایہ ناز مفکر ہیں اچانک رام پور تشریف لے آئے آپ تقریباً ۱۵ برس رام پور میں قیام فرما چکے ہیں۔

سابق امیر جماعت اسلامی ہند کے دست راست کی حیثیت آپ کو حاصل رہی ہے مولانا ابواللیث صاحب کی پہلی گرفتاری کے موقع پر آپ قائم مقام امیر جماعت بھی رہ چکے ہیں اور خود بھی اقامت دین اور تحریک اسلامی کی قیادت اور علمبرداری کے جرم میں قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرچکے ہیں اور کتنی ہی فکر انگیز اور ٹھوس تصانیف کے مصنف ہیں آپ کے سراپا سے آپکی شخصیت تک ہرگز رسائی نہیں ہوتی۔ چھریرہ بدن دو لمبی ٹانگیں مناسب سا چہرہ، چہرہ پر چھوٹی سی داڑھی، سانولہ رنگ، علی گڑھ کٹ پاجامہ، انگریزی قمیص، رام پوری ٹوپی، غرض کہ غیر مولویانہ انداز بظاہر خاص پڑھے لکھے بھی معلوم نہیں ہوتے۔ ظاہری طور پر

خشک اور بالکل کھرے مگر قریب جائیے تو نہایت شگفتہ اور باذوق رام پور کے ۱۵؍سالہ قیام میں میرا آپ کا مستقل ساتھ رہا لیکن اپنی کم عمری یا مولانا کی بظاہر بے کشش زندگی کی وجہ سے میں مولانا سے بے تکلف نہ ہو سکا یا احترام مانع رہا۔ لیکن اب چونکہ مولانا تشریف لائے تو دو ہی ایک ملاقاتوں میں انتہائی بے تکلف ہو گیا۔ پھر بھی احترام مانع تھا آخر ڈرتے ڈرتے دل کی بات زبان پر لے ہی آیا اور وہ بھی اس انداز میں کہ مولانا میں بہت دیر سے ایک بات سوچ رہا ہوں اور ڈرتے ڈرتے کہہ رہا ہوں۔

میرے اتنا کہنے پر مولانا انتہائی سنجیدگی کے ساتھ میری طرف متوجہ ہو گئے۔ مولانا وہ بات یہ ہے کہ میں ذکری کے لئے آپ سے انٹرویو لینا چاہتا ہوں۔ مولانا مسکرا دیئے گویا کہہ رہے ہوں بس اتنی سی بات سے ڈر رہے تھے اور اپنے ہی رفیق سے اسی بل بوتے پر چلے ہو اقامتِ دین کی جدوجہد میں حصہ لینے، کہنے لگے یہ سب مجھے نہیں آتا۔ میں اپنا سا منھ لے کر رہ گیا۔ ادھر ادھر کی باتیں ہونے لگیں پھر موقع نکال کر عرض مدعا کیا۔ مولانا اس بار بھی مسکرا کر رہ گئے۔ کئی افادی پہلو سامنے رکھکر تیسری بار عرض کیا تو مشروط طور پر آمادگی کا اظہار کیا کہ سوالات لکھ لیجئے گا۔ میں خوش ہو گیا خوشی میں اٹھ کھڑا ہوا پھر خیال آیا ارے وقت تو لیا ہی نہیں۔ مولانا عصر کے بعد چائے میرے ساتھ نوش فرمالیجئے میں نے عرض کیا۔ مناسب ہے، مولانا نے بے تکلفی سے جواب دیا۔ میں اٹھا اور گھر پہونچ کر سوالات لکھنے بیٹھ گیا تمیں سوالات کا ایک طویل سوالنامہ تیار ہو گیا۔

وقت سے پہلے مولانا کو لینے پہونچ گیا، فوراً میرے ہمراہ ہو لئے۔ چائے سے پہلے ہی میں نے سوالنامہ مولانا کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا مولانا نیک کام میں دیر کیا؟

سوال نامہ ہاتھ میں لیتے ہوئے کہا ارے میں اپنا چشمہ تو لایا ہی نہیں۔ اور میری جان نکل گئی کہ اب اس وقت یہ کام نہیں ہو سکے گا۔ جماعت کے ایک رکن توسل حسین صاحب نے اپنا چشمہ مولانا کی طرف بڑھایا مولانا نے فوراً آنکھوں پر چڑھالیا۔ اور نیم قہقہہ لگاتے ہوئے توسل صاحب سے بولے یہ تو میرا ہی چشمہ ہے آپ کو کہاں مل گیا؟ محفل قہقہہ زار بن گئی مولانا سوالات پڑھنے لگے اور پڑھتے پڑھتے جب تیسویں نمبر پر پہونچے تو اچھل

پڑے اور خلاف عادت ذرا اونچی آواز میں کہا آپ نے تو منتخب ہی کر دیا اور دوسرے اہل محفل نے زبان حال سے کہا، کیا ہوا مولانا! بیں نمبر دیکھئے سوال نامہ میری طرف بڑھاتے ہوئے فرمایا۔ سوالات کی نقل میرے ہاتھ میں بھی تھی میں نے دیکھا تو امارت سے متعلق ایک سوال تھا عرض کیا مولانا اس میں کیا ہوا آپ تحریک اسلامی کے مزاج کے مطابق جواب دیجئے مولانا خاموش ہو گئے اور سوالات پڑھتے رہے اتنے میں چائے آ گئی مولانا نے صرف ایک پیالی نوش فرمائی، صحت کی خرابی کی وجہ سے آپ نے اور کچھ نہ لیا۔

مولانا بغیر گدی کے صوفے پر بیٹھے تھے جس کی بنائی بید کی تھی نصف پرانے بید سے بنا گیا تھا اور نصف نئے بید سے فرمانے لگے جدید و قدیم کا سنگم اچھا ہے۔ گویا آپ نے اس طرف اشارہ فرمایا محض جدید ہونا کوئی خوبی نہیں اور نہ محض قدیم ہونا کوئی عیب ہے۔ ہم ہر خوبی کے علمبردار ہیں خواہ وہ قدیم ہو یا جدید اور ہم برائی کو مٹائیں گے خواہ وہ نئی ہو یا پرانی حق بہر حال حق اور دائمی و سرمدی حقیقت ہے جدید و قدیم سے بہت بلند۔

چائے سے فارغ ہو کر میں نے چاہا کہ کام شروع ہونا چاہئے۔ مگر مولانا نے کہا اس وقت نہیں صبح ہوگا۔ ایک ہلکی سی لہر مایوسی کی آئی اور گئی ایک بدگمانی کا غبار آیا اور چھٹ گیا فرمانے لگے صبح یہ کام ہو سکے گا میں ذرا سوالات پر غور کرلوں آپ نے تو بڑے خطرناک قسم کے سوالات کر ڈالے ہیں۔ ذمہ داری کی بات ہے میں ذرا سوچ تو لوں۔ سچ ہے جن لوگوں کو خدا اور خلق کے سامنے جوابدہی کا احساس ہوتا ہے وہ بڑے محتاط ہوتے ہیں بولتے ہیں تو پہلے تول لیتے ہیں لکھتے ہیں تو پہلے سوچ لیتے ہیں غرض کہ ان کی حرکات و سکنات احساس ذمہ داری کی شاہکار ہوتی ہیں۔ اس وقت کا یہ پروگرام میرے غریب خانہ کے بجائے دفتر ذکری میں انجام پایا تھا باہر نکلتے ہی میں نے عرض کیا مولانا میرے یہاں کی چائے تو رہ ہی گئی صبح میرے یہاں چائے نوش فرمایئے اور وہیں یہ کار خیر انجام پذیر ہو جائیگا انشاء اللہ۔ مولانا راضی ہو گئے اللہ اللہ کر کے صبح ہوئی چھ بجے ہی میں نے اپنے بچے محمد فرقان کو بھیج دیا کہ مولانا کو بلا لائیں۔ مولانا تشریف لے آئے میں نے ایک طرف مسند لگا رکھی تھی میز اور کرسیاں دوسری طرف تھیں خیال تھا کہ مولانا مسند استعمال فرمائیں گے لیکن آپ نے کرسی کو ترجیح دی۔ ہلکا پھلکا ناشتہ اور

جائے۔ فارغ ہوتے ہی میں اپنا بیگ اٹھالایا قلم اور کاغذ سنبھالنے لگا مولانا بولے اس وقت نہیں، اس وقت تو حکیم دھوی خاں صاحب مرحوم کی قبر پر فاتحہ پڑھنے جانا ہے اور حاجی صاحب اور عرشی صاحب سے ملنا ہے۔ ایک بار پھر مایوسی کی لہر آئی اور بدگمانی کا دورہ پڑا کہ مولانا ٹال رہے ہیں جھنجھلاہٹ بھی حملہ آور ہونے کو تیار تھی لیکن میں سنبھل گیا۔ عرض کیا مولانا میں بھی چلوں گا کہنے لگے ہاں ٹھیک ہے۔ مولانا نے پان کھایا اور شیروانی پہنی میں نے بیگ اور چھتری اٹھائی اور چل کھڑے ہوئے۔ تحریک اسلامی کے قائد کو رفاقت کا حق اس طرح ادا کرنا چاہئے کہ مرنے کے بعد بھی اپنے رفیق کو نہ بھولے اس کی مغفرت کے لئے دعا کرتا رہے اور اس کے پسماندگان سے ربط و تعلق قائم رکھے۔ مولانا اور مولانا کے ساتھ میں بھی پہلے تو حکیم نذیر احمد خاں مرحوم عرف حکیم دھوی خاں کی قبر پر پہونچے جو عام گور غریباں میں دفن ہیں فاتحہ خوانی کے بعد ان کے بھائی حکیم محمد احمد خاں کی قبر پر فاتحہ خوانی کے لئے گئے جو ان کی آبائی مسجد سے متصل ایک باؤنڈری میں ہے پھر ان کے صاحبزادے سے ملاقات کی خیریت معلوم کی کچھ دیر بیٹھے اور مولانا امتیاز علی خاں عرشی رامپوری سے ملاقات کے لئے ان کے دولت کدہ پر پہونچے مولانا اپنی پیرانہ سالی کے باوجود انتہائی بشاشت کے ساتھ علمی اور تاریخی لطیفوں سے ہم لوگوں کو کافی دیر تک محظوظ کرتے رہے۔ عرشی صاحب کے یہاں سے ہم لوگ باہر نکلے ہی تھے کہ مولانا نے انتہائی سنجیدہ اور درد انگیز لہجے میں فرمایا میں نے جب سے رام پور کے قلعہ کی مضبوط و مستحکم دیوار گرنے کا واقعہ سنا ہے انتہائی فکر و الم میں مبتلا ہوں۔ میں نے کہا وہ کیوں؟ مولانا! کہنے لگے قلعہ کی دیوار کی بنیاد میں کوئی نہ کوئی کمزوری رہ گئی ہوگی یا پیدا ہوگئی ہوگی اسی لئے تو ایک طوفانی جھٹکے میں اس طرح نیچے آرہی جیسے کسی نے اکھاڑ کر پھینک دیا ہو یہی حال تحریکوں کا ہے اگر ان کی بنیاد میں کوئی کمزوری رہ گئی یا پیدا ہوگئی تو خدا نخواستہ ایک روز دھڑام سے نیچے آجائیگی میں نے سوچا عرشی صاحب کی محفل جو قہقہہ زار تھی مولانا اس میں پورے طور پر شریک تھے لیکن آپ کا ذہن کیا سوچ رہا تھا اور دل میں کیا ٹیس اور چبھن تھی جو آپ کو کرب میں مبتلا کئے ہوئے تھی سچ ہے۔ ایک اسلامی قائد کی مسکراہٹ اور اس کا قہقہہ بھی گہری فکر سے محروم نہیں ہوتا۔ تھوڑی دیر میں ہم لوگ قلعہ میں پہونچ گئے جہاں

[illegible] پڑے تھے اور جامع مسجد رام پور کے گنبد کا وہ کلس بھی نظر آرہا تھا جو طوفان میں سرنگوں ہوگیا تھا مولانا نے یہاں اس دیوار چمن کا بھی مشاہدہ کیا جو خدا کے غضب کا شکار ہو کر اوندھی اور اکھڑی پڑی تھی مولانا ایک بار پھر گہری فکر میں کھو گئے۔

تقریباً ۹ بجے ہم لوگ درسگاہ پہونچ گئے مولانا نے دالان میں پڑی ہوئی بڑی میز پر رکھا ہوا ٹیبل فین آن کردیا اور شیروانی اتار کر اپنی چارپائی پر دراز ہوگئے مولانا نے فرمایا میں ذرا غسل کرلوں میں نے فوراً چپراسی کو آواز دی کہ احتیاطاً گھڑا بھر کر رکھ دے کہیں ایسا نہ ہو کہ غسل کے دوران پانی بند ہو جائے۔

مولانا غسل کر کے تشریف لائے اور اپنی چارپائی پر بیٹھ گئے اتنے میں ایک صاحب آگئے تھے مولانا نے فرمایا ہم یہاں کام کریں گے آپ وہاں سامنے بیٹھ کر اخبار دیکھئے۔ اب مولانا نے جوابات دینے کے لئے اپنے کو اچھی طرح تیار کرلیا تھا۔

میں سوال کرتا گیا اور مولانا جواب دیتے گئے "مولانا آپ کا وطن؟ میں نے سوال کیا۔ میں موضع سیدھا سلطان پور میں پیدا ہوا جو قصبہ سرائے میر کے پاس ضلع اعظم گڑھ یوپی میں ہے۔ یہی سیدھا سلطانپور ہے جس طرف نسبت کرکے لوگ اپنے آپ کو مستقیمی لکھتے ہیں، اسی طرح اسی ضلع میں ایک اور موضع ہے چاندپٹی جو مولانا ابواللیث صاحب سابق امیر جماعت اسلامی ہند کا وطن ہے اسی کی طرف نسبت سے لوگ اپنے کو ہلالی لکھتے ہیں اور سنئے ضلع اعظم گڑھ ہی میں ایک موضع ہے پھریہاں جس کی طرف نسبت سے لوگ اپنے کو فراہی لکھتے ہیں، ہندوستان کے عظیم مفسر قرآن مولانا حمید الدین فراہیؒ اسی موضع کے رہنے والے تھے اور اسی کی طرف نسبت سے فراہی مشہور ہیں مولانا نے لطف لیتے ہوئے جواب دیا بہر حال وطن کی نسبت سے بھی صراط مستقیم کا یہ داعی مستقیمی ہے آج کل مولانا کی سکونت قصبہ پھول پور ضلع اعظم گڑھ میں ہے جہاں آپ کے صاحبزادے ڈاکٹر افتخار احمد خاں مطب کرتے ہیں اور آپ کا کلینک "خان کلینک" کے نام سے قصبہ میں مشہور ہے۔

مولانا کی پیدائش کے متعلق میں نے سوال کیا تو حافظہ پر زور دے کر [illegible] پیدائش ہے آپ کے والد صاحب مرحوم کا اسم گرامی [illegible] جلیل صاحب [illegible]

مرحومہ کا نام عمدۃ النساء تھا آپ کی ننھیال بندول میں تھی جو ضلع اعظم گڑھ میں بلریا گنج اور نیراج پور کے قریب ایک موضع ہے۔ مولانا شبلی نعمانی کا وطن بھی یہی تھا۔ آپ نے لور پرائمری کے امتحانات اپنی دادیہال سیدھا سلطان پور میں پاس کئے اور اپر پرائمری کے درجات اپنی ننھیال بندول میں طے کئے مڈل اسکول بلریا گنج میں ۱۹۳۹ء میں پاس کیا اسی سال نومبر ۱۹۳۹ء میں مدرسۃ الاصلاح سرائے میر میں داخلہ لے لیا کیوں کہ والدہ مرحومہ نے فرمایا، یا تو قرآن حفظ کرو، یا الاصلاح میں داخلہ لے لو بہر حال دینی تعلیم حاصل کرو۔ مولانا نے از اول تا آخر مکمل تعلیم مدرسۃ الاصلاح میں ہی حاصل کی اور ۱۹۳۸ء میں فارغ ہوئے صرف ایک سال فارسی پڑھی سرائے میر میں آپ کا داخلہ عربی کے درجہ دوم میں ہو گیا کیوں کہ رمضان کی چھٹیوں میں گھر ہی پر علامہ فراہیؒ کے مایہ ناز شاگرد مولانا اختر احسن صاحب نے ابتدائی صرف و نحو پڑھادی تھی، مولانا اپنی تعلیم کے متعلق تفصیلات بیان کرتے ہوئے ذرا مسکرا کر بولے ایک لطیفہ سنئے ۱۹۳۲ء میں میں خاموشی سے دیوبند چلا گیا کہ بڑا مدرسہ ہے وہیں تعلیم حاصل کروں گا۔ میں وہاں آٹھ مہینے رہا اصول الشاشی قدوری نفحۃ الیمن وغیرہ پڑھی اور امتحان بھی دیا لیکن دل نہیں لگا میں نے وجہ دریافت کی کہ آخر دل کیوں نہیں لگا آپ نے کہا پارٹیاں تھیں جو ایک دوسرے پر کیچڑ اچھالتی تھیں کارٹون شائع ہوتے تھے۔ ضلعی عصبیت مارکاٹ گالم گلوچ پوسٹر بازی وغیرہ یہ فضا مجھے راس نہ آئی۔ دار العلوم دیوبند کے اساتذہ میں مولانا جلیل صاحب کیرانویؒ سے آپ زیادہ متاثر ہوئے۔ مولانا کیرانویؒ راقم الحروف کے بھی استاد تھے انتہائی مرنجاں مرنج آدمی تھے۔ جلالین میں نے آپ ہی سے پڑھی تھی جو جلال الدین محلی اور جلال الدین سیوطیؒ کی تصنیف ہے آپ شیخ الہند مولانا محمود الحسن کے خادم خاص تھے اور کم عمر تھے شیخ الہند کو جب گرفتار کر کے مالٹا میں رکھا گیا تو ریشمی خطوط کی تحریک کے سلسلہ میں جس پر ذرا بھی شبہ ہوتا تھا بڑی سختیاں کی جاتی تھیں مولانا جلیل صاحب پر بھی شدید قسم کی سختیاں کی گئیں لیکن آپ نے ایک حرف بھی نہیں بتایا دیوبند کے دوران قیام صدر الدین صاحب تھانہ بھون بھی تشریف لے گئے اور حضرت تھانویؒ کی مجلسوں میں استفادہ کی غرض سے شریک ہوئے ۸ بجے سے ۱۱ بجے تک دن کی مجلس میں شرکت کرتے رہے مجموعی

باز ابھارا ہا لیکن مولانا فرماتے ہیں اس زمانے میں میرا شعور بھی بیدار نہیں تھا اس لئے پورا استفادہ نہ کر سکا میں نے خاص اساتذہ معلوم کئے تو فرمایا مولانا عمر سعید ندوی مرحوم مولانا اختر احسن مرحوم مولانا امین احسن اصلاحی مدظلہ، مولانا شبلی متکلم مدظلہ۔

میں نے سوال کیا آپ اپنے کن اساتذہ سے زیادہ متاثر ہوئے مولانا نے فرمایا میں دوران تعلیم مولانا سعید صاحب مرحوم سے ان کے علم و عمل دونوں سے زیادہ متاثر ہوا۔ اور تعلیم کے بعد مولانا اختر احسن صاحب مرحوم سے زیادہ متاثر ہوا۔ میں نے پوچھا مولانا آپ میں ذوق مطالعہ کیسے پیدا ہوا اور لکھنے کا شوق کیوں ابھرا؟ مولانا کھل پڑے کہنے لگے کیا میرے اندر ذوق مطالعہ ہے؟ میں نے کہا مولانا لکھنے کے لئے پڑھنا تو لازمی ہے ہی۔ کہنے لگے ورنہ کوئی ظاہری اگر کچھ ذوق و شوق ہے تو بس فطری ہے۔ سبب معلوم نہیں ہوتا۔ میں نے کچھ ملتا جلتا سا سوال کیا، مولانا آپ اپنے اساتذہ کے علاوہ موجودہ دور یا پچھلے دور کی کن شخصیتوں سے زیادہ متاثر ہوئے مولانا نے جواب دیا میں مولانا فراہیؒ سے زیادہ متاثر ہوا تو کیا مولانا فراہیؒ آپ کے استاد نہیں ہیں؟ فرمایا نہیں بھائی میں اس زمانے میں کم عمر تھا مولانا فراہی کا انتقال ۱۹۳۰ء یا ۱۹۳۱ء میں ہوا ہے۔ میں نے عرض کیا آپ کی محسن کتاب یا کتابیں کیا ہیں۔ مولانا مسکرائے اور آپ کی آنکھوں میں خاص چمک پیدا ہوئی اور بولے قرآن مجید کے علاوہ اور کون سی کتاب ہو سکتی ہے پھر فرمایا قرآن سے متعلق مولانا فراہیؒ کی کتابیں، اسلام کی تعبیر اور تشریح سے متعلق مولانا مودودی کی کتابیں، مولانا آزاد کا تذکرہ اور الہلال کی کچھ جلدیں اور اسلاف میں سے امام ابن تیمیہؒ اور امام ابن قیمؒ کی کتابیں میری محسن کتابیں ہیں میں نے تیرھواں سوال مولانا کے سامنے رکھا۔ تحریک اسلامی سے آپ کس طرح متاثر ہوئے فرمانے لگے میری رکنیت کی داستان عجیب و غریب ہے۔ ۱۹۳۹ء سے رکن ہوں حالانکہ جماعت ۱۹۴۱ء میں قائم ہوئی ہے۔ اور صحیح بات تو یہ ہے کہ میں ضابطہ میں رکن ہوں بھی نہیں جماعت اسلامی کی تاسیس سے پہلے مولانا مودودی پٹھان کوٹ آئے۔ سیاسی کشمکش کی تینوں جلدیں لکھ چکے تو جلد سوم میں جو خاکہ دیا ہے اس کو بروئے عمل لانے کے لئے مختلف اطراف سے مطالبہ ہونے لگا یا اس کی تائید ہونے لگی تو مولانا

نے ۱۹۳۹ء میں اس نصب العین اور انہیں خطوط پر ایک دستور کا مسودہ مرتب کیا اور اسے چھپوا کر اس طرح بندھوایا کہ ایک صفحہ سادہ اور ایک صفحہ مطبوعہ تھا اور یہ دستور تمام متعارف علماء اور اہل فکر کے پاس بھیجدیا تاکہ لوگ مشورے دیں، جوابات آگئے تو مولانا نے ان لوگوں کو مدعو کیا تاریخ مقررہ پر چند علماء اور تعلیم یافتہ حضرات اکٹھا ہوئے مسودہ اور مشوروں کو سامنے رکھ کر بحث وتمحیص ہوئی آخر کار دستور کا مسودہ منظور ہوگیا تب مولانا نے حاضرین سے اپیل کی کہ اس نصب العین کے لئے آپ لوگ رکنیت قبول کرلیں تاکہ جماعت کی تاسیس ہوجائے صرف پانچ اشخاص نے اس پر آمادگی ظاہر کی اور تجدید شہادت ادا کرتے ہوئے اپنے آپ کو اجتماعی نظم سے متعلق کیا۔ ان پانچوں کے نام یہ ہیں مولانا مودودی مدظلہ عبدالعزیز صاحب شرقی مستری [illegible] صدیق صاحب شہید محمد شاہ صاحب منیجر ترجمان القرآن، اور مولانا نے فرمایا ایک [illegible] تھا اس تحریک کا نام تحریک دارالاسلام تجویز ہوا پھر اس کے بعد ۱۹۴۱ء میں جماعت اسلامی کی باقاعدہ تشکیل ہوئی تو میں ان دنوں رنگون میں تھا۔ مولانا نے فرمایا رنگون میں، میں ایک مدرسہ میں تھا اور وہاں صرف چھ ماہ رہا، ہاں تو اسی زمانے میں مولانا مودودی نے مجھے اطلاع دی کہ تم سابق رکنیت کی بناء پر رکن قرار پاگئے۔

اب میرا سوال تھا کہ تقسیم ہند کا تحریک اسلامی پر بھلا یا برا کیا اثر پڑا؟ مولانا نے نہ معلوم کیوں فرمایا اس سوال کو پھر لینا، لیکن پھر اس کی نوبت ہی نہیں آئی اب میں نے مولانا سے سوال کیا بعض لوگوں نے لکھا ہے کہ جماعت اسلامی ہند انقلابی کے بجائے اصلاحی ہوکر رہ گئی ہے اس میں اور تبلیغی جماعت میں اب کوئی فرق نہیں رہا ہے اس کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟ مولانا نے فرمایا یہ بات میرے نزدیک حقیقت کے خلاف ہے بات یہ کہ اسلامی تحریک نہ تو خالص انقلابی ہوتی ہے اور نہ خالص اصلاحی بلکہ وہ ایک ایسی انقلابی تحریک ہوتی ہے جس کی اصل روح صلاح اور اصلاح ہوتی ہے یا یوں کہئے کہ وہ ایک ایسی اصلاحی تحریک ہوتی ہے جو اپنے اندر انقلابی اور اقدامی صفت رکھتی ہے میرا خیال ہے کہ جماعت اسلامی ہند کی تحریک ایک ایسی ہی تحریک ہے یہ سوال چونکہ مولانا کے اپنے ذوق کے مطابق تھا۔ اس لئے مولانا نے اس کی مزید وضاحت فرمائی آپ نے کہا کسی اسلامی تحریک کے لئے

… ضروری ہے کہ وہ اپنی انقلابی اور اقدامی صفت کو برقرار رکھے۔ وہیں حکمت ودانش کا … بھی ہے کہ وہ وقت کے حالات پر نظر رکھے اور واقعاتی حقائق کو اپنے ذہن میں رکھتے ہوئے اپنا راستہ اس طرح طے کرے کہ مخالف طاقتیں اسے آسانی کے ساتھ زیروزبر کردینے … واقعہ نہ پاسکیں، مولانا نے فرمایا میرا خیال ہے جماعت اسلامی ہند نے اس پہلو سے اپنی پالیسی اور پروگرام میں کچھ نئی چیزیں شامل کی ہیں اور اپنے طرز عمل میں کہیں کہیں اعتدال اور لچک پیدا کی ہے۔ اس کی اہمیت اور غایت تک جن لوگوں کی نگاہ نہیں پہونچتی، ان کے ذہن میں اس طرح کے اعتراض اٹھتے ہیں جن کی طرف آپ نے اشارہ کیا ہے۔

سولہواں سوال کرتے ہوئے میں نے کہا مولانا تصویر کی حلت اور حرمت کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے، کیا یہ فقہاء اسلام کے درمیان اختلافی مسئلہ ہے؟ مولانا نے فرمایا فقہاء قدیم کے یہاں اس مسئلہ میں کوئی اختلاف رہا ہو کم از کم مجھے نہیں معلوم ہے یعنی حیوانی تصویر بنانے اور اسے استعمال کرنے کی حرمت پر سب کا اتفاق ہے مولانا نے البتہ عرب ممالک کے جدید علماء کا خیال ہے کہ فوٹو وہ تصویر نہیں ہے جس کی ممانعت حدیث میں آئی ہے بلکہ اس کی حیثیت عکس کی ہے وہ کہتے ہیں اس پر حرمت کا اطلاق نہیں ہونا چاہئے مولانا نے فرمایا ذاتی طور پر مجھے ان کی اس رائے سے اتفاق نہیں ہے۔ مولانا مودودی بھی قدیم فقہا کی طرح حیوانی تصویر سازی اور اس کے استعمال کو حرام شمار کرتے ہیں بلکہ موصوف نے تو اس کی حرمت کو اس طرح ثابت کیا ہے کہ دوسروں نے شاید ہی کیا ہو اور اس کے نقصانات اس طرح کھول کر سامنے رکھے ہیں کہ دوسروں نے کم ہی رکھے ہوں گے۔

مولانا اصلاحی ہر سوال کا جواب بڑی سنجیدگی اور احساس ذمہ داری کے ساتھ دے رہے تھے کبھی لیٹ جاتے اور کبھی اٹھ کر بیٹھ جاتے، اب میں نے ایک چبھتا ہوا سوال کر ڈالا، مولانا! میں سمجھتا ہوں کہ تحریک اسلامی ہند عزیمت کی علمبردار بن کر اٹھی تھی لیکن اب ایسا محسوس ہوتا ہے کہ کچھ لوگ فقہی رخصتوں یا گنجائشوں کا سہارا لینا چاہتے ہیں کیا یہ بات تحریک اسلامی کے مزاج کے مطابق ہے؟ مولانا نے انتہائی سنجیدگی سے فرمایا اور مختلف باتوں کو سامنے رکھنا چاہئے ایک یہ کہ خاص فقہی انداز میں کسی کام کا کرنا جائز ہے کہ نہیں؟ دوسرے یہ

کہ ایک ایسی تحریک جو موجودہ نظاموں کے بالمقابل ایک مستقل نظام کے قیام کی داعی ہو اس کے لئے کسی فقہی طور پر جائز کام کو اختیار کرنا کہاں تک مناسب ہے؟ مولانا نے فرمایا تحریک اسلامی کا مستقبل اور مزاج اس بات کا تقاضہ کرتا ہے کہ اس کے علمبردار فقہی جواز کی سطح پر نہ رہیں اور آسانیوں کو تلاش نہ کریں بلکہ اپنے کو اس سے بلند رکھیں۔ مولانا نے ٹھیک ہی کہا ورنہ اسمگلنگ، بلیک مارکٹنگ، گانا بجانا، اور بہت سے اخلاقی جرائم اور عیوب لوگ دھڑلے سے اختیار کرنے لگیں گے۔ خصوصاً اس اباحیت زدہ دور میں فقہی اباحیت کا دروازہ کھولنے سے یقیناً نفس پرستی اور سہولت پسندی کو شہ ملے گی اور لوگ دھڑا دھڑ اخلاقی پستی کے گہرے کھڈوں میں گرنے لگیں گے۔ اور ان میں کوئی اولوالعزمی باقی نہ رہے گی۔ مولانا نے مزید فرمایا اس قسم کی سہولت پسندی غیر محسوس طور پر ان کے ذہنوں کو متاثر کرے گی اور وہ تحریک کے بلند تقاضوں کو پورا کرنے کے لائق نہیں رہیں گے۔

میں نے ایک اور سوال کر ڈالا، مولانا! عام طور پر سنا جاتا ہے کہ تحریک اسلامی کے ارکان میں وہ پہلا سا جوش وجذبہ باقی نہیں رہا ہے اگر یہ صحیح ہے تو اس کی وجہ کیا ہے؟ مولانا صدرالدین صاحب نے فرمایا جزئی حیثیت سے تو یہ بات صحیح ہے اور اس کے وجوہ واسباب مختلف ہو سکتے ہیں ایک وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ افراد واشخاص میں کچھ ذاتی کمزوریاں ہوتی ہیں جو رکنیت کی ابتدا میں دب جاتی ہیں بعد میں مشکل حالات کا سامنا ہوتے ہی ابھر آتی ہیں۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ ماحول کا دباؤ اپنا کام کرتا ہے جو تیزی کے ساتھ مادہ پرستانہ بنتا جا رہا ہے اور تیسری وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ جماعت نے اس سلسلہ میں اپنا فرض انجام دینے میں کوتاہی کی ہو تربیت اور دیکھ بھال جیسی کرنا ہو جماعت نہ کر سکی ہو۔ مولانا نے چوتھی وجہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ فکری انتشار بھی اثر انداز ہوتا ہے۔

سوال: مولانا تحریک اسلامی ہند کا مستقبل کیا ہے؟ صدرالدین صاحب متانت سے گویا ہوئے اگرچہ مستقبل ناسازگاریوں اور مشکلات سے پُر نظر آتا ہے لیکن ہمیں پوری امید رکھنا چاہئے کہ انشاء اللہ دعوت حق کا پودا نشوونما پاتا اور پروان چڑھتا رہے گا ضرورت صرف لگن سے کام کرنے کی ہے حق کیلئے ہر ملک کی زمین سازگار ہے اور حالات خدا کی چٹکی میں

ہیں۔ اچھا مولانا یہ بتایئے کہ تحریک اسلامی نوجوانوں کو اپنانے میں کیوں ناکام رہی؟ فرمایا بالکل تو ناکام نہیں ہے۔ البتہ اس حد تک کامیاب بھی نہیں ہے جس حد تک ہونا چاہئے آپ نے اسباب بیان کرتے ہوئے فرمایا سبب کا تعلق تو خود نوجوانوں سے ہے آج کا نوجوان عام طور سے اپنے معاشی مستقبل کو سامنے رکھتا ہے اور جماعت اسلامی سے تعلق معاشی مفاد کے لئے بالعموم ناسازگار دکھائی دیتا ہے اس لئے ذہنی طور پر اس دعوت کو قبول کرنے کے باوجود نوجوان جماعت کے قریب آنے کے لئے تیار نہیں ہوتا۔ مولانا نے کہا دوسرا سبب خود جماعت سے متعلق ہو سکتا ہے وہ اس طرح کہ جماعت نوجوانوں کو فکری پہلو سے پوری طرح مطمئن کرنے میں کامیاب نہ ہو سکی ہو اور عملی پہلو سے ان کے اندر جذبہ حق پرستی پیدا کرنے کے لئے ضروری کوششیں نہ کر سکی ہو اور اس طرف پوری توجہ نہ دے پا رہی ہو۔ اس سلسلہ میں بعض مجبوریاں بھی ہیں۔ پھر بھی اس طرف توجہ کرنا چاہئے اور انشاء اللہ کی جائے گی۔ مولانا! ساتھ ہی ایک اور سوال بھی حل کرتے چلئے وہ یہ کہ تحریک اسلامی کے بہت سے کارکن جن میں سے بعض تو بڑی اہم حیثیتوں کے مالک تھے تحریک کا ساتھ کیوں چھوڑ گئے؟ مولانا موصوف جواب دینے کے لئے بالکل مستعد تھے آپ نے برجستہ فرمایا اس سلسلہ میں میری سوچی سمجھی رائے ہے کہ ان حضرات کو یہ اقدام کسی حال میں نہیں کرنا چاہئے تھا اگر انہیں تحریک کے قائدے اس کی پالیسیوں سے اور اس کے پروگراموں سے کوئی اختلاف نہ تھا تو انھیں اتنی بات بہرحال سمجھنی چاہئے تھی کہ کسی بھی اجتماعی کام میں رایوں کا اختلاف پیدا ہونا لازمی بات ہے اس سے بچا نہیں جا سکتا۔ نصب العین سے ان کی مخلصانہ عقیدت کا تقاضا تھا کہ اگر ان کے سامنے ایسی کوئی قابل اختلاف یا قابل شکایت بات تھی اسے اپنے دلائل کے ساتھ سامنے رکھنا چاہئے تھا اور اپنے جذبہ خیر خواہی کے ساتھ اس کی اصلاح کی کوشش کرنی چاہئے تھی۔ نہ یہ کہ اس کی بنا پر وہ تحریک سے اپنا تعلق منقطع کر لیں۔ مولانا نے وضاحت کرتے ہوئے فرمایا مجھے یہ بات تسلیم ہے کہ جماعت کے قائدین میں بہت سی عملی کوتاہیاں رہی ہیں اور ہیں اور ان کی بہت سی رائیں قابل اختلاف تھیں اور ہیں۔ لیکن جماعت کا کوئی بھی رکن اپنا اصل تعلق تحریک کے نصب العین سے جوڑ

ہے نا کہ تحریک کی کسی شخصیت سے۔ اس لئے اسے ہر حال میں اپنے نصب العین کے ساتھ وابستہ رہنا ہی چاہئے اور اپنے ساتھیوں یا اپنے آگے چلنے والوں کی خامیوں کی اصلاح کیلئے کوشاں رہنا چاہئے۔ تحریکیں اسی طرح چلا کرتی ہیں۔ مولانا نے مزید فرمایا مجھے خیال آتا ہے کہ جماعت کا ساتھ چھوڑنے والے لوگوں نے اگرچہ بالعموم اپنے اس اقدام کی وجہ جماعت کے کسی سربراہ کی خامیاں ہی بتائی ہیں یا اس پالیسی کو قابلِ اعتراض قرار دیا ہے لیکن حقیقت شاید یہ نہ تھی بلکہ یہ محسوس ہوتا ہے کہ ان حضرات کا ذہن تحریک کے اصل نصب العین کی اہمیت، عظمت اور ضرورت کا پوری طرح قائل نہیں رہ گیا تھا۔ میرے اس خیال کی وجہ یہ ہے کہ ان حضرات نے علیحدگی اختیار کرنے کے بعد تحریک کے نصب العین کا نام لینا بھی ترک کر دیا۔ اس کے لئے سرگرم عمل رہنے کا کوئی سوال ہی نہیں رہا۔ حالانکہ اگر نصب العین سے ان کی عقیدت برقرار تھی تو ان کا طرزِ عمل یہ نہ ہونا چاہئے تھا۔ سوال مولانا کچھ لوگ اس طرح سوچتے ہیں کہ پہلے تحریک اسلامی کے لوگ ہر چیز کو ممنوع اور غلط قرار دیتے تھے اور اب ان کا رجحان یہ ہے کہ ہر چیز جائز درست اور مباح ہے اس سلسلہ میں آپ کا کیا خیال ہے فرمایا اس کا جواب اوپر آ چکا ہے۔ مولانا کا اشارہ شاید اس جواب کی طرف ہے جس میں فقہی سطح سے بلند رہنے کی طرف آپ نے متوجہ فرمایا ہے۔

سوال اب میرے سامنے چوبیسواں سوال تھا مولانا ایک عجیب بات ہے وہ یہ کہ پردہ کے سلسلہ میں وہی لوگ امام ابوحنیفہؒ کی رائے کے علمبردار نظر آتے ہیں جو دوسرے بہت سے مسائل میں ان کی رائے کے خلاف عمل کرتے ہیں؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ لوگ اتباعِ شریعت کے بجائے اتباعِ نفس اور سہولت پسندی کا شکار ہو گئے ہوں اس سوال کا جواب مولانا نے بہت ہی مختصر سا دیا فرمایا اصل محرک کیا ہے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ البتہ اس کی دو وجہیں ہو سکتی ہیں ایک یہ کہ وہ خود مجتہد ہوں اور اپنی تحقیق پر عمل کرتے ہوں دوسری وجہ وہی ہو سکتی ہے جس کی طرف سوال میں اشارہ کیا گیا ہے کہ ایسے لوگ اتباعِ اہواء کا شکار ہو گئے ہوں۔

مولانا اب تھکے تھکے نظر آ رہے تھے مجھے اندیشہ لاحق تھا کہ میرے کچھ سوالات رہ نہ جائیں بہرحال میں نے جلدی سے سوال کیا مولانا آپ کی تصانیف کی تعداد کیا ہے؟ اور

اہم تصانیف کون کون سی ہیں مولانا کا چہرہ کھل گیا اور مسکراتے ہوئے بولے تعداد کے متعلق یہ کہتے ہوئے کہ گنتا پڑیں گی فرمایا ۱۲، ۱۳ ہونگی اہم تصانیف کے بارے میں فرمایا آدمی کو اپنی ہر اولاد پیاری ہوتی ہے ویسے تین کتابیں زیادہ اہم ہیں۔

(۱) اسلام ایک نظر میں (۲) دین کا قرآنی تصور (۳) اساس دین کی تعمیر، میں نے عرض کیا اور مولانا ''فریضہ اقامت دین''؟ چونک کر بولے ارے ہاں وہ تو رہ ہی گئی تو چار کر لیجئے! میں نے سوال کیا آخر اس کی وجہ کیا ہے کہ جماعت اسلامی کے علاوہ دوسرے اداروں اور پارٹیوں کے اکابر اور لیڈروں کی اولاد عموماً ان کی روش اختیار کرتی ہے بلکہ یوں کہیئے کہ اپنے اکابر کی ٹروکاپی ہوتی ہیں لیکن تحریک اسلامی کے علمبرداروں کی اولاد عموماً ان کی روش پر نہیں ہے ایسا کیوں ہے؟ مولانا بولے بظاہر ٹروکاپی ہوتے ہیں لیکن کیرکٹر اور جذبات کے پہلو سے بڑا فرق ہوتا ہے جہاں تک جماعت کے لوگوں کا تعلق ہے ان کی اولاد یقیناً بڑی حد تک ان کے نقشِ قدم پر نہیں چل رہی ہے لیکن ایسا بھی نہیں ہے کہ سو فیصد یہ بات صحیح ہو۔ رہی یہ بات کہ بالعموم ایسا کیوں ہوتا ہے؟ تو اس کی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ خود ہم نے اس ضمن کی اپنی ذمہ داری یا ذمہ داریاں پوری نہ کی ہوں لیکن بڑی وجہ یہ ہے کہ ہماری اولاد بھی اسی ماحول میں رہتی ہے جس کا ذکر ہوا اور ایک وجہ یہ بھی ہے کہ تحریک اسلامی کی راہ پُر خطر ہے مشکلات آڑے آتی ہیں اور ایک وجہ اور ہے وہ یہ کہ کسی شخص کے اندر دینی خدمت کا جذبہ اور اس کے لئے قربانیاں دینے کا حوصلہ پیدا ہونا آسان نہیں ہے۔ دوسروں کی تعلیم و تربیت سے یہ حوصلہ پیدا نہیں ہو سکتا اگر خود اس شخص میں یہ جوہر فطری طور پر موجود نہ ہو۔ مولانا نے مفکرانہ انداز میں فرمایا تعلیم و تربیت کسی اہم جذبہ کو پیدا نہیں کرتی بلکہ اسے پروان چڑھاتی ہے ہم اسی شخص کو کوئی بڑی بازی کھیلنے کیلئے تیار کر سکتے ہیں جس کی خود اپنی فطرت کے اندر اس کی بنیادیں موجود ہوں۔ بعض لوگوں کو یہ کہتے سنا جاتا ہے کہ اس جماعت اسلامی کی تعلیمی پالیسی اور اسکیم ناکام ہو گئی اس کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ مولانا موصوف جواب قطعی تھک چکے تھے نے فرمایا ناکام تو نہیں ہوئی ہے البتہ جس قدر اس کا حاصل سامنے آنا چاہئے تھا اتنا نہیں آ سکا حالات اور ذرائع وسائل کو

دیکھتے ہوئے ہم جس قدر بھی حاصل کر سکے ہیں اس کی تحقیر ہرگز نہیں کی جاسکتی۔

تحریکوں کو تعلیم گاہیں قائم نہیں کرنا چاہئے۔ اس خیال کے متعلق آپ کی رائے کیا ہے۔ یہ بات صحیح نہیں ہے البتہ یہ ضروری ہے کہ تعلیم گاہوں کو تحریک کے مقاصد کے حصول کا صرف ایک ذریعہ ہونا چاہئے ایسا ہرگز نہ ہونا چاہئے کہ اصل تحریک پیچھے جا پڑے اور درس گاہیں عملاً مقصود بالذات بن جائیں۔

سوال اب میرے سامنے ایک اہم سوال تھا میں نے کہا مولانا عوام میں نفوذ کے لئے تحریک اسلامی کے کارکنوں کو کیا کرنا چاہئے اس کے جواب میں صدرالدین صاحب نے چند باتوں کی طرف توجہ دلائی، آپ نے کہا، بنیادی چیز تو خود کارکنوں کا اخلاق وکردار ہے ان کی سیرت جس قدر پاکیزہ صالح اور پرکشش ہوگی اسی قدر وہ عوام میں نفوذ کرسکیں گے۔ دوسری چیز عوام سے ربط وضبط قائم کرنا ان سے میل ملاپ رکھنا اور ان سے تعلقات وابستہ رکھنا ہے ربط وضبط جس قدر بڑھے گا اسی قدر آپ اپنی دعوت کی خاطر ان میں نفوذ کرسکیں گے۔ تیسری چیز یہ ہے کہ حتی الوسع ان کی ذہنی تربیت اور اخلاق تعمیر کے لئے مسلسل کوشش کرتے رہنا چاہئے۔ چوتھی چیز یہ ہے کہ عملاً ان کے دکھ درد میں شریک ہونا چاہیے۔ محض روکھے پھیکے تعلقات اور محض ضابطہ کا تعلق نفوذ میں ہرگز معاون ثابت نہیں ہوسکتا۔ پانچویں چیز یہ ہے کہ آپ ان کی رہنمائی کریں اور ان کے عملی مسائل کو ہاتھ میں لیں اور انھیں حل کرنے کی کوشش کریں اس طرح ہمارے کارکن عوام میں نفوذ کرسکتے ہیں۔

اب میرے سامنے آخری سوال تھا میں نے کہا مولانا! ہندوستانی مسلمانوں کے لئے آپ کیا پیغام رکھتے ہیں؟ صدرالدین صاحب مسکرائے اور بولے کہ پیغام دینے کے لئے تو لیڈر چاہئے گویا آپ لیڈر نہیں ہیں، کہنے لگے، ہندوستانی مسلمان ہوں یا کہیں اور کے ہوں سب سے کہنے کی بات ایک ہی ہے وہ یہ کہ مسلمان اس وقت تک نہ اپنی دنیا سنوار سکتے ہیں اور نہ اپنی آخرت۔ جب تک وہ دین کی مخلصانہ پیروی اور علمبرداری کے لئے یکسو نہ ہوجائیں۔ تحریک اسلامی کے مفکر نے فرمایا یہ صرف عقیدت کی بات نہیں ہے بلکہ تاریخ اور عقل کا فیصلہ ہے مولانا صدرالدین نے مزید فرمایا موجودہ صورت حال یہ ہے کہ مسلمانوں

بیک وقت دو کشتیوں میں سوار ہیں زندگی کے کچھ حصے تو مذہب کے زیر اثر رکھے گئے ہیں اور بہت سے شعبے اور پہلو عملاً دین سے آزاد کر لئے گئے ہیں۔ یہ دورخی روش انھیں فائدہ کم اور نقصان زیادہ پہونچا رہی ہے۔ تحریک اسلامی کے قائد نے یقین واعتماد کے پُروقار لہجہ میں کہا دنیا کا کوئی گروہ عزت واقبال کا مقام حاصل نہیں کرسکتا جبتک کہ اس کی فکری اور عملی قوتیں کسی متعین مقصد کے لئے یکسو نہ ہوں۔

اس طویل اور مفید انٹرویو لینے میں کامیابی پر میں نے اللہ کا شکر اور مولانا صدرالدین صاحب کا شکریہ ادا کیا اور مولانا کی تھکاوٹ کے پیش نظر چائے کے لئے چپراسی کو آواز دی۔

چپراسی چائے لینے کے لئے دوڑا اور مولانا چارپائی پر دراز ہوگئے۔ میں ٹکٹکی باندھے دیر تک مولانا کو حیرت سے دیکھتا رہا کہ بظاہر یہ معمولی انسان اپنے اندر کس قدر غیر معمولی عظمت رکھتا ہے اور اس کی فکر میں کیسی گہرائی نظر میں کیسی وسعت، دل میں کیسا حوصلہ اور حوصلوں میں کس قدر بلندی ہے۔

فارم نمبر۴

ماہنامہ مجلہ ''حیاتِ نو''

مقام اشاعت	:	بلریا گنج، اعظم گڑھ
وقفۂ اشاعت	:	ماہنامہ
مالک	:	انجمن طلبہ قدیم، جامعۃ الفلاح بلریا گنج، اعظم گڑھ
پرنٹر و پبلشر	:	نور محمد، جامعۃ الفلاح بلریا گنج، اعظم گڑھ
ایڈیٹر	:	نور محمد، جامعۃ الفلاح بلریا گنج، اعظم گڑھ

میں نور محمد پرنٹر و پبلشر و ایڈیٹر تصدیق کرتا ہوں کہ مذکورہ بالا وضاحتیں میرے علم واطلاع کے مطابق صحیح ہیں۔

نور محمد

"مجھے آج کی نہیں کل کی فکر ہے"

مولانا کے بڑے صاحبزادے ڈاکٹر افتخار احمد صاحب سے ملاقات

ملاقاتی: عبدالبر اثری فلاحی

مولانا صدرالدین اصلاحیؒ پر جب خصوصی شمارہ نکالنے کا فیصلہ ہوا تو معاً یہ خیال آیا کہ اس ضمن میں مولانا کے بڑے صاحبزادے ڈاکٹر افتخار احمد صاحب سے ملاقات سب سے زیادہ مفید رہے گی کیونکہ تمام صاحبزادوں میں سب سے زیادہ ساتھ رہنے اور خدمت کرنے کا موقع آپ ہی کو ملا ہے۔ چنانچہ جب اس غرض سے ان کے پاس حاضری دی اور مدعا رکھا تو خوش بھی ہوئے، راضی بھی ہو گئے لیکن جب گفتگو کی باری آئی تو انھیں کلام کا یارا نہ رہا اور جذبات اشکوں کی شکل میں آنکھوں سے چھلک پڑے۔ دیر تک سسکیاں بھرتے رہے میں نے بھی دوسرے وقت کیلئے اٹھا رکھنا مناسب سمجھا۔ کچھ دنوں بعد دوسری ملاقات کی تو پھر یہی سماں بندھ گیا چاروناچار میں نے دوسرے موضوعات پر گفتگو شروع کی اور بیچ بیچ میں کچھ مولانا کے بارے میں بھی جاننے کی کوشش کرتا رہا لیکن پھر بھی کامیاب نہیں ہو سکا۔ بالآخر کئی ماہ بعد تیسری ملاقات کی کہ شاید وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ غم ہلکا ہو چکا ہو تو کچھ کامیابی ہاتھ آئے۔ بہر حال اس بار بھی باضابطہ انٹرویو کی شکل نہیں بن سکی البتہ جو کچھ زندگی کے بعض اہم پہلو آشکار ہوئے عبرت وموعظت کے لئے وہی بہت ہیں ان میں سے کچھ اگلے سطور میں نقل کئے جا رہے ہیں۔

انھوں نے بتایا کہ تقسیم ملک سے قبل جب کہ بٹوارے کے آثار پیدا ہو رہے تھے تبھی مولانا مودودیؒ نے ابو مرحوم کو خط لکھا کہ آپ مع اہل وعیال میرے پاس آجائیں میں ٹکٹ اور دیگر اخراجات بھیج رہا ہوں لیکن والدہ تیار نہیں ہوئیں اس لئے آپ نے انتقال مکانی کا ارادہ بدل دیا البتہ تنہا گئے لیکن کچھ ہی دنوں بعد میں شدید طور پر چیچک میں مبتلا ہوا صرف سانس جاری تھی جب آپ کو یہ اطلاع ملی تو فوراً آئے اور پھر مختلف وجوہات سے جانا نہیں ہو سکا۔

اسی بیماری کی بات ہے کہ میں نے گوشت کا مطالبہ کر دیا اور ضد پر اڑ گیا تو ماموں ایک مزدور کا بکرا پکڑ لائے، ذبح کیا اور گوشت امی کو لا کر دیا کہ پکا کر کھلا دیں امی نے پوچھا کہاں سے لائے بتایا فلاں کا پکڑ لایا ہوں۔ امی نے پھر پوچھا اس کو معلوم ہے تو ماموں نے کہا اس کے سامنے لایا ہوں، پھر پوچھا قیمت دے دی ہے تو کہا کیسی قیمت ویمت۔ یہ سننا تھا کہ امی شدید طور پر ناراض ہوئیں، گوشت اٹھا کر پھینک دیا اور مجھے کھلانا گوارہ نہ کیا۔ ماموں کا یہ طرز عمل دراصل زمیں دارانہ ذہنیت کی وجہ سے تھا جبکہ امی جان ابو کے فیض تربیت سے حلال حرام کے معاملہ میں انتہائی محتاط ہو گئی تھیں حالانکہ بہت زیادہ پڑھی لکھی نہ تھیں۔ بلکہ ایسے خاندان سے تعلق رکھتی تھیں جہاں بدعات وخرافات کا بہت زیادہ زور پایا جاتا تھا۔ تعزیہ بنانے کا عام رواج تھا لیکن ابو کی صحبت میں رہ کر وہ اس قدر صحیح وغلط میں تمیز کرنے لگی تھیں کہ شادی کے چند ہی سال بعد اپنے وطن بھائیوں کو کہلوایا کہ تعزیہ بنانا غلط ہے اسے بند ہونا چاہیے چنانچہ اس کے بعد ان کے میکے میں تعزیہ بننا بند ہو گیا۔

ابو شروع ہی سے کتنی چھوٹی چھوٹی باتوں کا خیال رکھتے تھے اس کا کسی قدر اندازہ اس واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے کہ ایک مرتبہ سرائے میر جانے کے لئے ٹرین پر سوار ہوئے میں بھی ہمراہ تھا اس وقت میری عمر ۱۲ سال چند ماہ تھی۔ والد صاحب نے میرا ٹکٹ بھی پورا لیا تھا چیک کرنے کے لئے جب ٹی ٹی آیا تو انھوں نے اپنا اور میرا دونوں کا پورا پورا ٹکٹ دکھا دیا۔ اسے میرا پورا ٹکٹ دیکھ کر تعجب ہوا لیکن اس وقت کچھ بولا نہیں چیک کرتا ہوا آگے نکل گیا البتہ ٹکٹ اپنے پاس رکھا۔ پھر جب چیک کر کے فارغ ہو گیا تو ابو کے پاس آکر بیٹھ گیا اور میری طرف اشارہ کر کے پوچھا اس بچے کی عمر کیا ہے؟ آپ نے بتا دیا کہ ۱۲ سال چند دن، اس نے تعجب سے کہا یہ بچہ تو ابھی چار پانچ سال آدھے ٹکٹ پر سفر کر سکتا تھا پھر آپ نے پورا ٹکٹ کیوں لیا ابو نے جواب دیا "مجھے آج کی نہیں کل کی فکر ہے کل میں خدا کے حضور کیا جواب دوں گا" یہ جواب سن کر وہ مبہوت ہو گیا اور آہ سرد بھرتے ہوئے کہا "کیا آپ جیسے لوگ بھی ابھی زمین پر موجود ہیں"۔

آگے انھوں نے بتایا کہ اس طرح کے واقعات کے ایسے نقوش ذہنوں پر مرتسم

ہوئے کہ پھر کبھی محو نہیں ہوئے بلکہ ہمیشہ مشعل راہ بنے رہے۔ بسا اوقات آپ اصلاح وتربیت کے لئے ایسی مثالیں پیش کرتے اور اس طرح سے سمجھاتے کہ آپ کی باتیں تیر کی طرح پیوست ہو جاتیں اور ان کا اثر قبول کئے بغیر نہیں رہ پاتا۔ ۱۹۵۴ء میں جب آپ جیل گئے تو میری بعض شرارتوں کی اطلاع میرے سرپرست مولانا محمد ایوب صاحب اصلاحیؒ نے بذریعہ خط انھیں جیل میں دی تو مجھے خط لکھا اور تحریر فرمایا''...... مجھے بتاؤ اگر کسی کے پاس ایک ہی آنکھ ہو اور وہ بھی برابر دکھتی رہے تو اس کا کیا حشر ہوگا'' اس وقت میں ثانوی درسگاہ میں زیر تعلیم تھا اور بھائیوں میں اکیلا تھا چنانچہ اس جملے کا مجھ پر ایسا اثر ہوا کہ پھر اپنی ساری شرارت بھول گیا اور کبھی ابو تک کوئی شکایت نہ پہنچنے دی۔

جب میں نے ثانوی درس گاہ سے عالمیت تک کی تعلیم تقریباً مکمل کر لی تو طب پڑھنے کی خواہش ہوئی۔ میں نے والد صاحب کے سامنے اظہار کیا اس زمانے میں چونکہ کفاف پر کسی طرح گذارہ ہو رہا تھا لہٰذا والد صاحب نے معذرت ظاہر کی لیکن مجھے اتنی شدید تمنا تھی کہ میں نے اپنا مدعا حکیم دھومی خاں صاحب رامپور کے سامنے رکھا اور ان سے سفارش کی درخواست کی کیونکہ وہ ابو سے بہت قریب تھے وہ ابو کو اور مجھے اس قدر چاہتے تھے کہ مرتے وقت انھوں نے وصیت کی کہ ''طب سے متعلق کتابیں ڈاکٹر افتخار احمد کو دی جائیں اور دیگر مذہبی کتب مولانا صدرالدین صاحب کے حوالے کی جائیں''۔ چنانچہ حکیم دھومی خاں صاحب نے کس طرح ابو کو راضی کیا اور میرا داخلہ لکھنؤ طبیہ کالج میں کرادیا۔ دو سال تک کسی طرح معاملہ چلتا رہا اور ۳۰ روپے ماہانہ مجھے ملتا رہا لیکن جماعت پر جب سخت حالات آئے تو کارکنان جماعت کے کفاف میں کچھ کمی کی گئی اس صورت حال میں والد صاحب کے لئے میرے اخراجات برداشت کرنا اور دشوار ہو گیا لہٰذا آپ نے منع کر دیا کہ ''اب تمہارے اخراجات کا انتظام نہیں ہو سکتا اس لئے تعلیم چھوڑ دو'' جب کہیں سے کوئی صورت نہیں بنی تو والدہ محترمہ نے اپنا زیور بیچ کر مجھے دو سال تک خرچ دیا تب کہیں جا کر میں اپنی تعلیم مکمل کر سکا۔ یہ کہتے کہتے وہ رو پڑے باوجود ضبط کے آنکھوں سے آنسو چھلک پڑے اور کچھ دیر کے لئے سلسلۂ کلام موقوف ہو گیا۔

کچھ دیر بعد جب میں نے جاننا چاہا کہ وطن تو سیدھا سلطان پور ہے پھر پھولپور میں رہائش کیوں اختیار کی تو فرمانے لگے کہ طب کی تعلیم مکمل کرنے کے بعد پریکٹس کا مسئلہ سامنے آیا چونکہ پھولپور میں سہولت اور اسکوپ زیادہ نظر آیا کیونکہ قریب ہی میں پھوپھی یہاں رہتی تھیں اور یہ قصبہ مرکزی حیثیت رکھتا تھا چنانچہ میں نے کسی طرح یہاں پریکٹس شروع کر دی۔ چونکہ دیہات کے مقابلے میں یہاں سہولیات زیادہ تھیں اس لئے ابو جان نے بھی جب علی گڑھ سے گھر منتقل ہونے کا فیصلہ کیا تو یہیں قیام کرنا پسند فرمایا۔

ابتداءً کرایہ کے مکان میں کلینک شروع کیا تھا لیکن اب اپنا بنوالیا ہے جو ''خان کلینک'' کے نام سے معروف ہے۔ اس حوالے سے وہ بتانے لگے کہ اس وقت جہاں آپ یہ کلینک دیکھ رہے ہیں یہ ایک غیر مسلم کی زمین تھی جب اس نے بیچنے کا ارادہ کیا تو مجھے علم ہوا میں نے لینا چاہا تاکہ اپنی کلینک ہو جائے کیونکہ یہ لب سڑک ہے۔ بہرحال میں نے والد صاحب کے سامنے مسئلہ رکھا تو انھوں نے پوچھا کتنے کی مل رہی ہے۔ بتایا گیا کہ ۸۵ ہزار روپے کی۔ فرمایا اس قدر رقم کہاں سے آئے گی؟ پھر دریافت فرمایا کہ تمہارے پاس کتنا ہے؟ میں نے جواب دیا ۳۰ ہزار روپے جو اس وقت تک میں نے بچا کر جمع کر رکھا تھا۔ آپ نے فرمایا پھر ۵۵ ہزار روپے کہاں سے آئیں گے؟ مشکل ہے اسلئے چھوڑ دو۔ ڈاکٹر صاحب نے بتایا کہ موقع کی زمین تھی بعد میں ہاتھ آنا مشکل تھا اسلئے میں کسی قیمت پر اسے لینا چاہتا تھا چنانچہ میں نے پیش کش کی کہ آپ صرف اجازت دے دیں بقیہ رقم بطور قرض میں آسانی سے حاصل کر لوں گا پھر بعد میں قرض حسب سہولت ادا کرتا رہوں گا۔ لیکن آپ یہ احسان اٹھانا پسند نہیں فرمارہے تھے کہ زیادہ دنوں تک کسی کا قرض رہے کیونکہ بظاہر جلد کسی آمدنی کی توقع نہیں تھی۔ چنانچہ کہا اچھا کل سوچ کر بتاؤں گا۔ اگلے روز بتلایا کہ ٹھیک ہے لے لو اگر قرض جلد ادا ہونے کی سبیل پیدا نہ ہوئی تو گاؤں پر جو میرے حصے کی زمین ہے وہ بیچ کر قرض ادا کر دیا جائے گا۔

اب ایک سوال یہ پیدا ہوا کہ اس زمانے میں پچاس ہزار سے زیادہ کے بیع نامے پر انکم ٹیکس کلیرنس شو کرنا ضروری تھا جو بہرحال مزید ایک بوجھ بنتا چنانچہ اس سے بچنے کے لئے میں نے فریق ثانی کو اس بات پر آمادہ کر لیا کہ وہ رقم تو پوری لے لیں البتہ بیع نامہ کا کاغذ ۴۸

ہزار روپے کا ہے تا کہ اس جھنجھٹ اور بوجھ سے بچا جا سکے لیکن آپ کو جب اس بات کا علم ہوا تو آپ نے ایسا کرنے سے منع کر دیا اور کہا جو بات طے ہوئی ہے اسی کے مطابق ساری کاروائی ہونی چاہئے اگر تمہارے اندر سکت ہے تب تو لو ورنہ چھوڑ دو۔ بہر حال والد صاحب کی منشا کے مطابق میں نے کاروائی کرائی چنانچہ انکم ٹیکس کے حوالے سے جو اندیشہ تھا وہی ہوا دوسری کاروائیاں بھی کروانی پڑیں اور اس نے اس قدر طول کھینچا کہ معاملہ صاف ہونے میں پورے سات سال لگ گئے۔

اس قدر زحمت قابل قبول تھی لیکن چور دروازوں سے کام گوارہ نہیں سچ ہے قائد اگر خود عمل کا پیکر نہ بن سکے تو دوسروں پر بھلا کیا اثرات پڑیں گے۔

ڈاکٹر صاحب نے بتایا کہ میں تو کچہری کا چکر لگاتے لگاتے تھک گیا تھا عاجز آکر چھوٹے بھائی فرحان احمد فلاحی نے اعظم گڈھ جا کر کاغذی کاروائی مکمل کرائی۔ وہ اس وجہ سے ممکن ہو سکا کہ فرحان علیگڑھ مسلم یونیورسٹی میں زیر تعلیم تھا اور اس نے تعلیمی نقصان کا حوالہ دے کر جلد کاروائی پر آمادہ کیا تھا۔

اس کی خریداری کے سلسلہ میں جو قرض لینا پڑا تھا کچھ تو آمدنی سے ادا کیا گیا اور کچھ کی جلد ادائیگی کے لئے زمین فروخت کی گئی حالانکہ اسے مزید طول دیا جا سکتا تھا۔ اسی طرح کتابوں کی رائلٹی وغیرہ بھی حاصل کر کے یہ رقم ادا کی جا سکتی تھی لیکن وہ بھی گوارہ نہ تھا۔ اسی زمانہ میں خرم مراد صاحب نے آپ کو خط لکھا کہ ہم آپ کو اسلامک فاؤنڈیشن لندن کا ممبر بنانا چاہتے ہیں اسے قبول فرمائیں ساتھ ہی آپ کی جملہ کتابوں کے ترجمے یوروپین زبانوں میں کرانا چاہتے ہیں اس کی اجازت مطلوب ہے۔ رائلٹی اگر آپ پسند کریں تو یکمشت بھی مل سکتی ہے یا پسند کریں تو ہر اشاعت پر بھی ادا کی جا سکتی ہے۔ ڈاکٹر صاحب کہنے لگے جب یہ خط ملا تو میں نے سمجھا کہ غیبی مدد آئی اور من وسلویٰ اتر گیا لیکن کچھ دنوں بعد جب والد محترم سے اس خط کے جواب کی تفصیل معلوم کی تو آپ نے بتایا کہ ممبر شپ میں نے قبول کر لی ہے صحت نے ساتھ دیا تو شرکت کر سکوں گا۔ برصغیر ہند و پاک کی زبانوں میں ترجمے اور اشاعت کا حق جماعت کو میں نے دیا ہے اس لئے ان کے علاوہ زبانوں میں ترجمے اور اشاعت کا حق

اس لئے انہیں دے دیا ہے اور اس کی آمدنی بھی میں نے فاؤنڈیشن ہی کو وقف کر دی ہے۔

سچ ہے داعی تو پیغام حق کو ہر ایک تک پہنچانے کے لئے فکر مند رہتا ہے اسے اس سے مطلب نہیں کہ اسے اس سے کچھ دنیوی فوائد حاصل ہوتے ہیں یا نہیں۔ وہ تو ہر چیز کو توشۂ آخرت بنانے کے لئے فکر مند رہتا ہے۔

دور عسرت کا ایک اور واقعہ سناتے ہوئے ڈاکٹر صاحب نے فرمایا ہمارے ایک رشتہ دار نے والد صاحب کی اجازت کے بغیر ایک ایسی زمین ایک ہندو کے ہاتھ بیچ دی جس میں آپ کا حق بنتا تھا کاغذی طور پر خریدار کے نام منتقل ہونے میں جب پریشانی ہوئی تو چودہ سال بعد وہ خریدار آپ کے پاس آیا اور مسئلہ رکھا آپ نے کہا جب تمہیں معلوم تھا کہ اس میں میرا بھی حق ہے تو تمہیں اسی وقت مجھ سے پوچھنا چاہئے تھا اور میرے حصے کی رقم مجھے دینی چاہئے تھی بے چارے نے عذر ومعذرت کرتے ہوئے یہ پیشکش کی کہ آپ کے حصے کی جو رقم بنتی ہوتی آپ کو وہ دینے کے لئے تیار ہوں اور اس وقت کے بجائے آج کے لحاظ سے جو قیمت بنتی ہو اس کے مطابق دینے کے لئے تیار ہوں آپ نے کہا ٹھیک ہے کل سوچ کر بتاؤں گا۔ آگے ڈاکٹر صاحب نے بتایا کہ امی کو جب معاملہ معلوم ہوا تو کچھ امید ہو چلی کہ ایک موٹی رقم ملے گی تو کچھ اہم مسائل حل ہوں گے لیکن جب مولانا کا فیصلہ معلوم ہوا کہ وہ رقم لے کر دستخط کر دیں گے البتہ وہ دستخط اپنے اصل حق تہائی کے لحاظ سے کریں گے رقم ۱/۹ کے لحاظ سے لیں گے اور وہ بھی چودہ سال قبل خریداری کے وقت کے لحاظ سے جو قیمت بنتی ہے اس کے مطابق لیں گے۔ جو غالباً اس وقت ۱۳۰ یا ۱۹۰ روپے بن رہی تھی۔ یہ سن کر امی جان نے احتجاج کیا اور کہا کہ آپ کو تو شرعی حق حاصل ہے کہ آپ اس کی پوری قیمت لیں اور آج کے لحاظ سے لیں پھر آپ ایسا کیوں کر رہے ہیں تو جواب دیا کہ اس طرح سے فروخت کرنے میں غلطی میرے بھائی کی ہے اس میں اس خریدار بیچارے کا قصور نہیں ہے اس لئے میں لکھ دوں گا یہ صحیح ہے کہ میرا حق تہائی بنتا ہے لیکن میں ۱/۹ کی قیمت لوں گا کیونکہ میرے بیچنے والے بھائی نے متوفی کی زیادہ خدمت کی ہے۔ ممکن ہے انھوں نے انھیں کچھ وصیت کر دی ہو یا زیادہ دے دیا ہو اس لئے اخلاقاً ان کا حق زیادہ اور میرا کم ہے۔ البتہ قانوناً میرا حق بھی برابر

ہے۔اس لئے ۳/ الکھوں گا، ۹/۱ کی قیمت لوں گا اور چونکہ غلطی میرے بھائی کی تھی اس لئے بیچنے کے وقت کے لحاظ سے قیمت لوں گا۔ یہ سن کر امی جان دم بخود رہ گئیں پھر بھی اصرار رہا کہ پورا حق لیں اور آج کے حساب سے لیں مجبوراً ابو کو کہنا پڑا ''زمین میری ہے، میں جو چاہوں گا کروں گا تم خاموش رہو۔'' چنانچہ امی جان نے اس کے بعد زبان بند کرلی۔

احتیاط، حق پر استقامت اور معاملہ کی صفائی کا اتنا اعلیٰ معیار آپ نے قائم کیا تھا کہ آج کے ماحول میں بظاہر اس کا تصور نہیں کیا جاسکتا لیکن کسی طرح کے ماحول میں بھی اولیاء اللہ سے یہ چیزیں بعید نہیں ہوتیں آج بھی کوئی پختہ عہد کرلے تو اللہ ہر نیکی کی توفیق عنایت فرما دیتا ہے۔

ایک طرف تو رشتہ داروں کا یہ حال تھا اور دوسری طرف آپ کا حال کہ ذرا بھی رشتہ داروں کو پریشان دیکھتے بے چین ہوجاتے اور ہر طرح سے ان کا تعاون فرماتے چنانچہ موروثی طور پر آپ کو مکان کے لئے جو جگہ ملی تھی اپنے اس بھائی کو دے دی تھی جن کی مالی پوزیشن اچھی نہیں تھی لیکن دوسرے بھائی جن کی مالی پوزیشن اچھی تھی اور وہ کثیر العیال تھے تو انھوں نے بھی اپنی ضرورت رکھی چنانچہ بعد میں آپ نے دونوں بھائیوں میں برابر برابر تقسیم کردیا اور کچھ بھی نہ لیا۔ اسی طرح ایک موقع سے جبکہ ہمارے چچا کی بہو کو ٹنفس ہوگیا تھا وہ انتہائی مقروض ہوگئے تھے اور پریشان تھے تو آپ نے بغیر کسی کے علم میں لائے ایک خطیر رقم انھیں بھجوائی اور پہنچانے والے سے کہا کہ کسی کو معلوم نہ ہونے پائے وقتاً فوقتاً اس طرح کے بہت سے کام کرتے رہے جن کا سوائے آپ اور اللہ اور صاحب معاملہ کے کسی علم کو نہیں۔ بعد وفات بعض لوگوں نے تعزیت کرتے ہوئے اس طرح کی چیزوں کا انکشاف کیا۔

یوں تو کسی کے بارے میں رائے قائم کرنے کے لئے اس کے معاملات کی صفائی کو دیکھنا کافی ہوتا ہے جس کے چند مظاہر آپ نے مندرجہ بالا واقعات میں دیکھے بعض واقعات تقویٰ وللہیت کے بھی ملاحظہ فرمائیں کہ مولانا اس پہلو سے بھی اوج کمال پر تھے۔ ڈاکٹر صاحب نے بتایا کہ آپ اکثر و بیشتر نمازوں میں گریہ وزاری کرنے لگتے۔ ایک موقع سے نماز کے اندر آیت یوم یفر المرء من اخیہ وصاحبتہ وبنیہ کی تلاوت کی تو دیر تک روتے

ڈاکٹر صاحب نے مزید بتایا کہ میں اور میری اہلیہ اور بہن جب حج کرنے کے لئے جارہے تھے تو سڑک تک پہنچانے کے لئے آئے اور کھڑے ہوکر دعائیں دیں پھر رخصت کرتے ہوئے فرمایا ''میرے لئے بھی دعا کرنا جہاں جہاں دعائیں مقبول ہوتی ہیں ہر جگہ کرنا اور صرف ایک دعا کرنا ''فلاح آخرت کی دعا''۔

پیرانہ سالی اور ضعف وعلالت کی وجہ سے برابر معمول تھا کہ سوتے وقت بدن دبواتے لیکن یہ خدمت بھی اہل خانہ کے علاوہ کسی اور سے لینا پسند نہیں کرتے تھے ایک دفعہ سید جعفر صاحب قیم جماعت نے پیر دبانا چاہا تو خوبصورت انداز سے ٹالنے کے لئے کہا ''ایک سید خاں کا پیر دبائے یہ بھلا کیسے ہوسکتا ہے'' اور پھر منع کردیا۔ اسی طرح دہلی کے زمانہ قیام میں ایک معمر عقیدت مند نے پیر دبانا چاہا تو آپ نے کہا، ''آپ جیسے عمر رسیدہ سے یہ خدمت کیسے گوارہ ہوسکتی ہے''۔

میں ڈاکٹر صاحب سے محو گفتگو تھا کہ مولانا کا خادم خاص رام پھیرو وہاں پہنچ گیا جو بازار سے مولانا کا سودا سلف لایا کرتا تھا اور باہر کے کام دیکھتا تھا اس نے جب مولانا کے بارے میں ہمیں گفتگو کرتے ہوئے سنا تو وہ بھی عقیدت کے ساتھ خاموشی سے بیٹھ گیا اور موقع پاکر اس نے بڑی اپنائیت کے ساتھ بتایا کہ انتقال سے ایک دن قبل اہتمام سے مجھے بلوایا اور کہا ''تم ہمارا سودا سلف لاتے ہو بتاؤ کسی کا کوئی بقایا تو نہیں ہے۔ جس کا جو کچھ بقایا ہو رقم لو اور جاکر ادا کردو'' میں نے کہا کسی کا کوئی بقایا نہیں ہے۔ لیکن پھر بھی بار بار اصرار کرکے پوچھتے رہے اور میں برابر کہتا رہا کہ کسی کا کوئی بقایا نہیں ہے۔

رام پھیرو کی اس حکایت سے ایسا لگا کہ شاید مولانا کو آخری وقت کا کچھ احساس ہو چلا تھا اور دنیا سے بالکل پاک وصاف جانا چاہتے تھے اسی لئے سارے معاملات کی صفائی کی فکر میں تھے سچ ہے اللہ والے تمام آلائشوں سے پاک وصاف ہوکر رب کے حضور جانا پسند کرتے ہیں۔

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

برابر نصیحت کرتے رہتے

''اول وقت میں نماز پابندی کے ساتھ ادا کیا کرو''

فرحین عفت
غفار منزل نئی دہلی ۲۵

> محترمہ فرحین عفت صاحبہ جو مولانا کی سب سے چھوٹی صاحب زادی ہیں جن کی شادی فیض آباد ہوئی ہے اور ان دنوں اپنے شوہر جناب محمد شعیب صاحب کے ساتھ دہلی میں مقیم ہیں۔ ان سے ہم نے خانگی احوال جاننا چاہا تھا جو کچھ جوابات ملے حاضر ہیں۔ چونکہ چھوٹی اولاد زیادہ لاڈلی ہوتی ہے اس لئے خیال ہوا کہ ان سے رجوع کچھ زیادہ مفید رہے گا۔ (مدیر)

س : گھر کے معاملات کون دیکھتا تھا؟

ج : گھریلو معاملات ابو ہی دیکھتے تھے، آنا، جانا، ضروریات ہر چیز پر خود نظر رکھتے تھے۔

س : آپ لوگوں کی تعلیم و تربیت کا کیا انتظام کیا تھا؟

ج : ابتدائی طور پر ابو جان نے خود مجھے اردو، فارسی، عربی وغیرہ پڑھائی۔ بعد میں صحت خراب رہنے کی وجہ سے مزید سلسلہ جاری نہ رہ سکا۔ سر میں درد رہتا، زیادہ بولنے میں زحمت ہوتی اس لئے سلسلہ رک گیا۔ پھر میں نے پھولپور ہی سے ہائی اسکول کیا اور ادیب کامل کی ڈگری حاصل کی۔

س : معمولات کیا تھے؟

ج : لکھنا، پڑھنا خصوصاً سویرے قرآن کی تلاوت نہایت پابندی اور اہتمام سے کرتے۔ قرآن پڑھوا کر سنتے بھی تھے جب پڑھنا ممکن نہیں رہا تو قرآن کی کیسٹ سنتے تھے۔ حالات حاضرہ سے واقفیت کے لئے اخبارات پابندی سے پڑھتے۔ کبھی گیپ ہو جاتا

پریشان ہو جاتے، پوچھتے رہتے کیوں نہیں آرہا ہے۔ روزنامچہ تحریر کرتے تھے جس میں [illegible] اہم باتیں ہوتی تھی۔

س : خاندان والوں سے ربط ضبط کیسا تھا؟

ج : بہنوں کا زیادہ خیال رکھتے تھے چچا جان (جناب قمر الدین صاحب، مولانا کے [illegible] بھائی جو اب بھی حیات ہیں) سے بھی برابر ربط رہا البتہ اصل وطن سیدھا سلطان پور [illegible] پھولپور منتقل ہو گئے تھے کیونکہ وہاں بڑے بھائی جان ڈاکٹر افتخار احمد صاحب [illegible] کلینک'' کھول لی تھی اور اس سلسلے میں گاؤں کی ساری جائداد تقریباً بک چکی [illegible] دیہاتی ماحول سے کچھ دور ہی رہنا چاہتے تھے کیونکہ آمد و رفت اور دیگر پہلو پریشان [illegible] ہوتے ہیں۔

س : کوئی چیز مزاج کے خلاف ہوتی تو کیا رویہ ہوتا تھا؟

ج : بالکل خاموش ہو جاتے اور کنارہ کشی اختیار کرتے۔ اپنے کام خود کرنے لگتے۔ پھر [illegible] دیکھتے تو سمجھاتے تھے۔

س : کیا کبھی سرزنش کی بھی نوبت آئی؟

ج : ہاں بچپن میں میں نے ایک بار مار کھائی ہے۔ ابو بچپن ہی سے ہم سے پردے کا اہتمام کراتے تھے۔ نہ دروازہ پر جانے دیتے، نہ چھت پر اور نہ باہر نکلنے دیتے۔ ایک دفعہ جب کہ میری عمر سات آٹھ سال رہی ہوگی ظہر کے وقت اپنی بعض سہیلیوں کے ساتھ بے پردہ نکل گئی تو نماز سے واپسی پر دیکھ لیا اور کافی مارا۔

س : کیا امی، ابو میں کبھی ناچاقی دیکھنے کو ملی؟

ج : بسا اوقات ایسا ہوا خصوصاً بچیوں کی شادی کے سلسلے میں ابو انتہائی توکل کے ساتھ رہتے اور کوشش فرماتے۔ اور امی ظاہری تگ و دو نہ دیکھ کر پریشان ہوتیں اور ردعمل کا اظہار کرتیں کہ ''آپ مطمئن ہیں اور کچھ بھی بھاگ دوڑ نہیں کر رہے ہیں''۔

س : غم کے مواقع پر آپ کا طرز عمل کیا ہوتا تھا؟

ج : صبر اور ضبط و تحمل کا ثبوت دیتے۔ والدہ کے انتقال کے وقت بالکل پرسکون رہے ہم

بے حال رہے لیکن حیرت ہوتی کہ ابو نہ صرف سکون سے رہے بلکہ ہم لوگوں کو سمجھاتے اور دلاسہ دیتے رہے۔

س: مولانا کو کس چیز سے زیادہ خوشی ہوتی تھی؟

ج: بچوں کی آمد سے بہت خوش ہوتے گویا ساری بیماری ختم ہو جاتی۔ عموماً استقبال میں باہر ہی کھڑے رہتے۔ جب بھی گئی باہر ہی کھڑے نظر آئے۔

س: سب سے زیادہ کسے چاہتے تھے؟

ج: ہر ایک کو اتنا چاہتے تھے کہ ہر ایک یہ سمجھتا کہ وہ مجھے ہی سب سے زیادہ چاہتے ہیں یہ ایک عجیب وغریب توازن تھا۔

س: کوئی خاص یادگار واقعہ؟

ج: محترمہ کوثر تبسم آپا اور محترمہ ایمن ترنم آپا کی شادی کی تاریخیں پڑ چکی تھیں کہ ایمرجنسی میں آپ گرفتار کر لئے گئے۔ ایک مہینے تاریخ موخر کی گئی لیکن پھر بھی رہائی ممکن نہ ہو سکی بڑے بھائی ڈاکٹر افتخار صاحب بہت پریشان تھے لیکن ابو نے سمجھایا کہ اللہ کی کوئی حکمت اور مشیت ہوگی۔ اس لئے وقت پر نکاح وغیرہ ہو جانے دو" پھر اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ نکاح سے ٹھیک آدھے گھنٹے پہلے بلا اطلاع بریلی جیل سے رہا ہو کر گھر پہنچے تو عجیب خوشی کا ماحول تھا۔

س: پسندیدہ غذائیں کیا تھیں؟

ج: پلاؤ، زیادہ تر گوشت اور شلجم کھاتے یا گوشت میں لوکی ڈال کر، پھل میں انار زیادہ پسند تھا۔

س: مشروبات میں کیا پسند کرتے تھے؟

ج: چائے زیادہ پیتے تھے۔ صبح، عصر بعد اور رات میں تو ضرور پیتے۔

س: کیا کسی چیز کی عادت بھی تھی؟

ج: شروع میں پان کھانے کی عادت تھی امی کھاتی تھیں تو انہیں بھی بڑھا دیتیں، ایک دو کھانا شروع کیا اور کھاتے رہے لیکن امی کے انتقال کے بعد بالکل کھانا چھوڑ دیا تھا۔

س: سگریٹ نوشی کی عادت کیوں کر پڑی؟

ج: گیس کی شکایت ہوئی نفخ رہتا تو ڈاکٹر نے مشورہ دیا حقہ پئیں آپ نے استعمال کیا بہر افاقہ محسوس ہوا لہذا اس کی عادت پڑی اور بعد میں سفر اور مصروفیات کی وجہ سے حقہ پینا آسان نہیں رہا اس لئے سگریٹ نوشی شروع کر دی۔

س: آپ کے معالج خاص کون تھے؟

ج: حکیم ثناء اللہ صاحب پھولپور، ڈاکٹر ناطق صاحب سرائے میر حکیم ثناء اللہ صاحب نہ صرف معالج ہی نہیں بلکہ ہمراز بھی تھے اور ہمہ وقت ابو کی خدمت کے لئے تیار رہتے اخیر عمر میں اسلسل البول کے عارضہ سے سخت پریشان تھے رات میں ۳۰۔۲۵،۳۰۔۲۵ بار پیشاب ہو جاتا خصوصاً ٹھنڈک کے موسم میں اور زیادہ پریشانی بڑھ جاتی بسا اوقات تو ناامیدی کی کیفیت طاری ہونے لگتی چنانچہ علاج کے لئے لکھنؤ اور دہلی وغیرہ کا سفر بھی کرنا پڑا۔

س: کیا مولانا نے کوئی وصیت بھی فرمائی ہے؟

ج: وصیت تو نہیں البتہ برابر نصیحت کرتے رہتے کہ "اول وقت میں نماز پابندی کے ساتھ ادا کیا کرو"۔

Regn. No. : 60/7 AZ-168

With best Complements
from

M. Wasif Zahri
M. Kashif Zahri

ZAHRIS
TOURS & TRAVELS

(DOMESTIC & INTERNATIONAL AIR TICKETING)

عمرہ و وزٹ ویزا ملکی اور غیر ملکی ہوائی جہاز کی ٹکٹ بکنگ اور تمام ایرلائنس کی ٹکٹ او کے (O.K.) اور کنفرم کرانے کا قابل اعتماد مرکز۔

زہری پی سی او، نزد خان کلینک، مین روڈ، پھولپور، اعظم گڈھ

Ph: (05460) - 31166 , 30466, 30217, 30817 FAX No.- 0091 - 5460 - 30057

مولاناؒ اور مدرسۃ الاصلاح

ابوعبیدالرحمان سعد فلاحی

جامعۃ الفلاح بلریاگنج، اعظم گڑھ (یو۔پی)

مدرسۃ الاصلاح سرائے میر اعظم گڈھ اپنے جن سپوتوں کی بدولت شہرت اور نیک نامی کے بام عروج پر پہنچا ان میں ایک نمایاں نام مولانا صدرالدین اصلاحی کا ہے۔ آپ نے مدرسہ کے محور فکر قرآن کو اپنے مطالعہ وتحقیق اور تصنیف وتالیف کا خاص موضوع بنایا۔ فکر فراہیؒ کو جذب کرنے اور اس کی تنقیح وتوضیح میں بھی آپ کے رول کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ بحیثیت معلّم، ممبر مجلس انتظامیہ، ممبر مجلس تعلیمی اور صدر انجمن طلبہ قدیم بھی آپ گراں قدر خدمات انجام دے چکے ہیں۔

آپ نے ابتدائی تعلیم کا آغاز اپنے دادیہال سیدھا سلطان پور میں کیا اور نانیہال بندول میں اس کی تکمیل کی پھر بلریاگنج سے مڈل اسکول پاس کیا۔ اس وقت کے ماحول میں اتنی تعلیم بہت سمجھی جاتی تھی کہ اسے خط لکھنے آجائے اور خسرہ وغیرہ سمجھنے لگے۔ اس سے زیادہ تعلیم دلانے کو فضول سمجھا جاتا تھا کیونکہ سرکاری ملازمت اختیار کرنا باعث ننگ وعار تھا۔ چنانچہ گھر کے بڑے بوڑھے مزید تعلیم دلانا نہیں چاہتے تھے لیکن خود مولانا کی دلچسپی اور والدہ کی تمنا وخواہش کی وجہ سے دینی تعلیم کا سلسلہ جاری ہوا کیونکہ آپ کی والدہ چاہتی تھیں کہ وہ حافظ قرآن بنے یا مدرسۃ الاصلاح میں داخلہ لے کر دینی تعلیم حاصل کرے۔ چنانچہ آپ نے والدہ کی چاہت کا خیال رکھتے ہوئے یکم نومبر ۱۹۲۹ء کو مدرسۃ الاصلاح کے درجہ سوم مکتب میں داخلہ لے لیا۔ آپ کا داخلہ نمبر ۱۲۰۹ ہے۔

اس وقت آپ کی عمر ۱۲ سال تھی۔ آپ نے تقریباً مکمل تعلیم مدرسۃ الاصلاح میں ہی حاصل کی اور ۱۹۳۷ء میں فارغ ہوئے۔ درمیان میں ۱۹۳۲ء میں خاموشی سے دیوبند چلے گئے تھے لیکن وہاں کی فضا راس نہ آئی تو پھر لوٹ کر درجہ عربی دوم میں داخلہ لیا۔ براہ راست عربی دوم میں داخلہ ملنے کی وجہ تھی کہ آپ نے اپنے ہم وطن اور علامہ فراہیؒ کے مایہ ناز شاگرد

مولانا اختر احسن اصلاحیؒ سے رمضان کی چھٹیوں میں ابتدائی صرف ونحو سیکھ لی تھی۔

تعلیم میں آپ کی لگن اور دلچسپی کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ گاؤں قریب ہونے کے باوجود جمعہ کی چھٹیوں میں گھر جانا پسند نہیں کرتے تھے۔ والدہ کو اور گھر کے لوگوں کو جب ملنے کا اشتیاق ہوتا تو باضابطہ آدمی بھیج کر اور والدہ کی علالت کا بہانہ کرکے انہیں بلایا جاتا۔

اپنی محنت اور ذہانت کی وجہ سے وہ تمام اساتذہ کے چہیتے تھے خصوصاً تحریر کی فطری صلاحیت زمانہ طالب علمی ہی میں ظاہر ہونی شروع ہوگئی تھیں۔ مولانا نجم الدین صاحب اصلاحیؒ کی نگرانی اور اشراف نے اسے مزید نکھارا اور دور طالب علمی ہی میں آپ نے ''البیان'' کے نام سے ماہوار قلمی رسالہ نکالنا شروع کردیا تھا۔ چنانچہ مارچ ۱۹۳۵ء سے دسمبر ۱۹۳۵ء تک اس کے آٹھ شمارے منظر عام پر آئے اور اس قدر معیاری اور وقیع کہ مولانا عبدالسلام صاحب ندویؒ جیسا اہل قلم بھی داد تحسین دیے بغیر نہیں رہ سکا۔ اور مولانا مودودیؒ جیسے ذی علم وصاحب نظر نے ان کے دور طالب علمی میں لکھے ہوئے مقالات کو اپنے رسالہ ترجمان القرآن میں من وعن شائع فرمادیا بلکہ یہی مضامین دونوں کے درمیان قرب کا ذریعہ ثابت ہوئے۔ مولانا نجم الدین صاحب اصلاحی تو آپ کی صلاحیتوں کے اس قدر معترف اور مداح تھے کہ اپنی کتاب ''یادگار سلف'' کے دیباچہ میں لکھتے ہیں۔

''ان میں عزیز محترم مولانا صدرالدین صاحب اصلاحی سلمہٗ کی ذات ہے جو اپنی خداداد ذہانت اور فطری صلاحیتوں کے اعتبار سے (چشم بددور) اپنی نظیر آپ ہیں ...... عزیز کے متعلق بعض اکابر نے ابتداء ہی میں مضامین وغیرہ دیکھ کر خوش آئند مستقبل کی بشارت دی تھی چنانچہ جب ۱۹۳۷ء میں مدرسہ سے فارغ ہوچکے تو متکلم اسلام سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ مدظلہٗ مدیر ترجمان القرآن کی جوہر شناس نظر نے دارالاسلام پٹھان کوٹ پنجاب بلالیا اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ علم وعمل اور زندگی کے پاک مقاصد میں کامیاب فرماکر نہ صرف ہندوستان بلکہ تمام عالم اسلامی کے لئے باعث فخر بنائے۔'' (یادگار سلف ص ۸ (دیباچہ) مطبوعہ مطبع معارف اعظم گڈھ ۱۹۳۶ء)

دورانِ طالب علمی آپ کے کھیل سے دلچسپی کا بھی تذکرہ ملتا ہے۔ والی بال کے آپ بہترین کھلاڑی تھے۔ مدرسۃ الاصلاح کی نمائندہ ٹیم میں آپ شامل تھے جو مختلف مقامات پر مدرسہ کی طرف سے میچ کھیلنے کے لئے بھیجی جاتی تھی یا مقابلے کے لئے آئی ہوئی ٹیم کا مقابلہ کرتی تھی۔ بانی مدرسۃ الاصلاح جناب محمد شفیع صاحب کے ساتھ والی بال ٹیم کا ایک گروپ فوٹو خازن مدرسۃ الاصلاح مولانا عبدالرحمان ناصر اصلاحی جامعی صاحب کے پاس آج بھی موجود ہے جس میں مولانا کو بآسانی پہچاننا مشکل ہے لیکن مولانا عبدالرحمان صاحب اس زمانے میں مدرسۃ الاصلاح میں زیرِ تعلیم تھے اور مولانا سے ایک سال جونیر تھے اس لئے ان کی شہادت کو رد نہیں کیا جا سکتا۔ غالباً محفوظ تصاویر میں یہ مولانا کی سب سے قدیم تصویر ہے۔

آپ کے خاص اساتذہ میں مولانا عمر سعید ندویؒ، مولانا اختر احسن اصلاحیؒ، مولانا امین احسن اصلاحیؒ، مولانا نجم الدین صاحب اصلاحیؒ اور مولانا شبلی متکلمؒ ہیں۔ ان میں آپ مولانا عمر سعید صاحبؒ اور مولانا اختر احسن صاحبؒ سے زیادہ متاثر تھے گرچہ آپ نے خصوصی استفادہ مولانا نجم الدین صاحب اصلاحی سے بھی کیا تھا۔

فراغت کے بعد مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کی صحبت میں چلے گئے تھے لیکن ۱۹۴۶ء میں جب مدرسۃ الاصلاح کچھ بحرانی صورتِ حال سے دوچار ہوا تو نائب ناظم مدرسہ مولانا بدرالدین صاحب اصلاحیؒ کی درخواست پر مولانا مودودیؒ نے جن تین ممتاز اصلاحیوں کو وہاں تدریسی خدمات انجام دینے کے لئے بھیجا ان میں آپ بھی تھے لیکن آپ کے بارے میں یہ طے تھا کہ حالات کے معمول پر آنے تک ہی آپ وہاں قیام کریں گے پھر مولانا کے پاس لوٹ جائیں گے۔ لیکن تقسیمِ ملک نے یہ دروازہ بند کر دیا اور پھر آپ ۵ر فروری ۱۹۵۰ء تک وہاں تدریسی خدمت انجام دیتے رہے۔

آپ نے بالخصوص قرآن اور عربی ادب پڑھایا اس دوران بزمِ خطابت کے صدر بھی رہے۔ اپنے شاگردوں کو انھوں نے تحریر کے رہنما خطوط مرتب کر کے نوٹ کرا دیے تھے شاید یہ کسی شاگرد کے پاس محفوظ بھی ہو۔ آپ کے تلامذہ میں مولانا عبدالحسیب صاحب اصلاحی مولانا نظام الدین صاحب اصلاحی، مولانا صغیر احسن صاحب اصلاحی مولانا محمد

صاحب اصلاحی، مولانا ضیاء الدین صاحب اصلاحی اور مولانا شبیر احمد اصلاحی، مولانا کوثر اعظمی صاحب اصلاحی وغیرہم خاص طور سے قابلِ ذکر ہیں۔

آپ کا طریقۂ تدریس انتہائی عالمانہ اور محققانہ تھا چنانچہ بسا اوقات ایک ایک آیت پر کئی کئی دن گذر جاتے تھے۔ زورِ استدلال اس قدر مضبوط کہ کوئی گنجائش کسی کے لئے باقی نہیں چھوڑتے۔ لیکن ایسا بھی نہیں کہ صرف عقل کی تسکین کا سامان ہوتا بلکہ روح و وجدان کو بھی جھنجھوڑتے اور خود بھی سوزِ نہاں میں ڈوب جاتے۔ چنانچہ مولانا کے شاگرد کوثر اعظمی صاحب اصلاحی نے بتایا کہ آپ جب ہم لوگوں کو سورہ توبہ کی آیت "علی الثلاثة الذین خلفوا" کا درس دے رہے تھے تو پہلے پورا تاریخی واقعہ سنایا اور پھر اس قدر لرزہ طاری ہوا کہ دیر تک روتے رہے یہاں تک ہچکی بندھ گئی۔ اے کاش آج بھی اساتذہ میں اثر پذیری کا یہ جذبہ اور روح پیدا ہو جائے۔

امیر جماعت اسلامی ہند مولانا ابواللیث صاحب اصلاحی ندویؒ نے شعبۂ تحقیق و تصنیف کے لئے آپ کو مرکز جماعت طلب کیا تو آپ کو مدرسہ سے سبکدوش ہونا پڑا۔ البتہ اہلِ مدرسہ ذہناً و قلباً اس کے لئے تیار نہ تھے چنانچہ مولانا اختر احسن صاحب اصلاحیؒ نے فرمایا "تمہارا یہاں سے جانا بڑا گراں گذر رہا ہے"۔ اس جدائی کے باوجود مدرسہ سے برابر آپ کا تعلق باقی رہا اور مادرِ علمی نے اپنے اس سپوت سے خوب خوب استفادہ کیا چنانچہ ۲ر فروری ۱۹۶۹ء مطابق ۱۴ر ذی قعدہ ۱۳۸۸ھ کو مدرسہ کی مجلسِ تعلیمی کا ممبر منتخب کیا گیا اور ۱۵ر جنوری ۱۹۷۹ء کو رکن انتظامیہ بنائے گئے اور تاحیات رکن رہے۔ آپ کو مادرِ علمی اور اس کی بقاء و ارتقاء سے کس قدر محبت تھی اس کا اندازہ اس واقعہ سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ چند سال قبل طلبہ کو ذمہ داران مدرسہ سے کچھ شکایات ہوئیں تو انھوں نے احتجاج کیا چنانچہ کچھ طلبہ کا اخراج عمل میں آیا ان میں سے ایک نے مولانا کی خدمت میں حاضر ہو کر ساری صورتِ حال رکھنی چاہی لیکن احتجاج کی وجہ سے جو بدنامی اور بدنظمی پیدا ہوئی تھی اس سے اس قدر دل برداشتہ تھے کہ اس طالب علم سے گفتگو کرنا تک پسند نہیں فرمایا اور الٹے پیر اسے لوٹا دیا۔

آپ انجمن طلبہ قدیم مدرسۃ الاصلاح کے صدر بھی رہے۔ ۱۳ر جون ۱۹۹۱ء کو آپ کو

صدر منتخب کیا گیا تھا اور ۱۷ اکتوبر ۱۹۹۷ء تک آپ نے یہ خدمت انجام دی۔ آپ کے زمانے میں انجمن انتہائی سرگرم رہی اور بہت سے اہم کام جواب تک کاغذ پر تھے اسے عملی جامہ پہنایا گیا۔

اس طرح مختلف شکلوں میں مولانا نے مادرِ علمی کی بھی گراں قدر خدمات انجام دیں اور پورے عالم میں بھی اس کی نیک نامی کا سبب بنے اپنے اس سپوت پر مدرسۃ الاصلاح جس قدر بھی ناز کرے اسے اس کا حق ہے۔

ایک نصیحت

جامعۃ الفلاح میں دورانِ تعلیم مولانا سے بار بار استفادہ کے مواقع ملے۔ جمعیۃ الطلبہ کے ہفتہ وار اجتماعات میں بھی مولانا نے شرکت کی۔ ۱۹۸۵ء کی اوائل کا زمانہ تھا جامعہ میں عربی ہفتم میں طالب علم تھا۔ استاذ محترم مولانا نور محمد فلاحی کا تمام ساتھیوں کی عالمیت وفضیلت کی اسناد پر مولانا صدر الدین اصلاحی مرحوم کی دستخط لینے کے لئے پھولپور تشریف لے گئے۔ میری عالمیت کی سند پر مولانا نے دستخط ثبت کئے اور فضیلت کی سند پر عجلت میں پلاسٹک پر دستخط کر دیے۔ استاذ محترم مولانا نور محمد صاحب فلاحی جب تمام اسناد لے کر لوٹے اور میں نے فضیلت کی سند دیکھی تو دستخط پلاسٹک پر تھی۔ بہر حال مولانا اسی ہفتہ جامعہ تشریف لائے۔ میں نے حقیقت واضح کی تو مولانا نے اسی وقت دستخط کر دیے۔ اور بتاکید فرمایا کہ "جامعہ کی اس تعلیم پر اکتفا ہر گز نہ کرنا۔"

جامعۃ الفلاح نے تم کو علم کے دروازے تک پہونچا دیا۔ اب اس میں داخل ہونا اور علم کے سمندر سے استفادہ کرنا تمہاری ذمہ داری ہے" چنانچہ مولانا کی اس نصیحت کو اب تک حرزِ جاں بنائے ہوا ہوں۔ حق مغفرت کرے مولانا بڑی خوبیوں کے مالک تھے۔

(سید عبد الرحیم فلاحی، بھساول، مہاراشٹر)

مولانا صدر الدین اصلاحیؒ اور مولانا مودودیؒ

ابو سعد فلاحی

بلریا گنج، اعظم گڑھ (یو، پی)

اللہ تعالیٰ کی سنت ثابتہ ہے کہ ہمیشہ تاریکی کے بعد اجالا کرتا ہے اور ہر زوال کے بعد عروج کے اسباب پیدا فرماتا ہے۔ چنانچہ جس وقت بساط ملاقت لپیٹی جارہی تھی ٹھیک اس زمانے میں اللہ نے مجدد عصر مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودیؒ کو پیدا فرما کر ضلالت کی طرف جاری انسانیت کی ہدایت ونجات کا سامان کیا اور دنیا پھر فلاح وفلاح کے دہانے پر آکھڑی ہوئی اس کار تجدید وتعمیر میں مولانا صدر الدین اصلاحیؒ کا کردار ابو بکر صدیقؓ کے رول سے کم نہیں۔ یہ دونوں کیسے ایک دوسرے سے قریب ہوئے؟ کس طرح اس کام کا آغاز کیا؟ کن کن مراحل سے گذرے، باہم تعلقات کی نوبت کیا تھی؟ کس طرح اپنے خاکے میں رنگ بھرا؟ اور تقسیم ملک کے نتیجے میں جدائی کے باوجود تا دم واپس صبر وشکر اور جرأت وعزیمت کے ساتھ اپنے لگائے ہوئے پودے کو سینچتے رہے۔ چونکہ موجودہ اسلامی بیداری کی لہر کو سمجھنے اور اسے صحیح رُخ پر آگے بڑھانے کیلئے اس پس منظر کا جاننا ضروری ہے اس لئے ذیل کے سطور میں اس کا ایک عکس پیش کیا جارہا ہے۔

۱۹۳۶ء میں آپ کو مولانا مودودیؒ سے پہلا تعارف حاصل ہوا جبکہ آپ مدرسۃ الاصلاح سرائے میر اعظم گڈھ کے اعلیٰ درجات میں زیر تعلیم تھے آپ کے منجھلے لڑکے رضوان احمد فلاحی کے بیان کے مطابق "دونوں سے واقفیت کی تقریب یہ ہوئی کہ اس زمانے میں مدرسۃ الاصلاح کے علمی ادارے سے ایک ونی ماہنامہ "الاصلاح" شائع ہوا کرتا تھا جسے اعلیٰ درجات کے طلبہ برابر پڑھا کرتے تھے ایکبار اس میں ترجمان القرآن کا ایک مضمون مدیر محترم مولانا امین احسن اصلاحی مرحوم ومغفور نے اپنے تحسینی نوٹ کے ساتھ شائع کر دیا۔ بس اس مضمون نے فاضل مصنف (مولانا صدر الدین اصلاحیؒ) کو ترجمان القرآن اور مولانا مودودیؒ مرحوم کی عظیم شخصیت سے متعارف کرا دیا۔"

اسی زمانے میں آپ کو براہ راست ترجمان القرآن پڑھنے کا موقع ملا تو یہ ماہنامہ آپ کو بے حد پسند آیا خود آپ کا اپنا بیان ہے "۱۹۳۶ء میں مجھے اپنڈیسائٹس (پیٹ کا مرض) ہوگیا تھا دوران علالت پہلی بار ماہنامہ ترجمان القرآن دیکھنے کا موقع ملا۔ یہ اس زمانے میں حیدرآباد سے شائع ہوتا تھا مجھے یہ ماہنامہ بے حد پسند آیا[۲]۔"

چونکہ تحریر و تصنیف کا داعیہ آپ کے اندر پہلے سے موجود تھا اللہ تعالیٰ نے فطری طور پر یہ ذوق اور رجحان عطا فرمایا تھا مدرسہ کے قلمی پرچے میں برابر لکھا کرتے تھے بلکہ "البیان" نامی قلمی پرچہ تو پورا آپ ہی ترتیب دیتے تھے۔ چنانچہ فوراً ہی "نکاح کتابیہ" کے مسئلہ پر ایک مضمون لکھا اور مدیر ترجمان القرآن مولانا مودودیؒ کو بھیج دیا جسے مولانا نے محرم الحرام ۱۳۶۵ھ کے ترجمان القرآن جلد ۱۰ عدد ۱ میں من وعن شائع کردیا بلکہ بعض پہلوؤں سے اختلاف کرتے ہوئے ایک طویل استدراک بھی لکھا اور اسے بھی ساتھ شائع فرمایا۔ نقطۂ اختلاف یہ تھا کہ آپ نے نکاح کتابیات کی حلت کے صریح حکم کو اہل کتاب کے ایک خاص فرقے سے متعلق ثابت کیا تھا جو اپنی گوناں گوں خوبیوں کی وجہ سے دیگر فرق ضالہ سے ممتاز تھا جبکہ مولانا مودودیؒ کا خیال یہ تھا کہ وسیع تر حکم و مصالح کے پیش نظر شریعت کے اس حکم کو عموم پر برقرار رکھنا ہی زیادہ بہتر ہے اور پھر انھوں نے اس کے دلائل پیش فرمائے تھے۔

اس مضمون کے بعد "مسلمان اور امامت کبریٰ" کے عنوان سے ایک طویل مضمون آپ نے تحریر فرمایا اور اسے بھی ترجمان القرآن میں اشاعت کیلئے بھیج دیا۔ مولانا مودودیؒ کو یہ مضمون بہت پسند آیا۔ جوں کا توں تین قسطوں میں شائع کردیا بلکہ آئندہ بھی لکھنے کی فرمائش کی اور کچھ مفید مشورے دیے چنانچہ اپنے رسیدی خط میں مولانا مودودیؒ نے لکھا:

"عنایت نامہ معہ مضمون ملا، آپ کا پورا مضمون میں نے دیکھا۔ بہت خوب ہے میں چاہتا ہوں کہ اس سلسلے کو پھیلایا جائے۔ عنوان بدلتے رہیے مگر سلسلہ خیال یہی رہے۔ پورے قرآن کو اس نظر سے دیکھیے کہ جن جن قوموں کو امامت کے منصب سے گرایا گیا ان کے زوال کے اسباب کیا تھے ہر قوم الگ الگ لیجیے اور اس کے اسباب زوال کا گہری نظر سے تجزیہ کرتے جائیے۔ اس کے بعد ایک جامع بیان لکھیے جس میں قرآنی نقطۂ

نظر سے اسباب زوال امم کی پوری تشریح ہو پھر یہ بتایئے کہ قرآن کی نظر میں ترقی اور عروج کس چیز کا نام ہے اور وہ اس کے حصول کیلئے کون سا طریقہ پیش کرتا ہے۔

اس سلسلہ میں دو باتوں کا خیال رکھیے ایک یہ کہ آپ کو ترقی اور عروج کے اس معیار سے بچنا چاہیے جو مشرقی صاحب اور ان کے ہم خیال لوگوں نے قائم کیا ہے یعنی وہ مادی ترقی اور علو فی الارض کو مقصود بالذات سمجھتے ہیں اور ان کے نظریہ کا لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ جو مومنین مستضعفین فی الارض ہیں وہ کافر قرار پائیں اور جو کفار مادی طاقت کے ذریعہ سے برسر اقتدار ہیں وہ خدا سے روگردانی کرنے اور بندگانِ خدا پر ظلم کرنے کے باوجود مومن اور خلیفۃ اللہ فی الارض قرار پائیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ آپ کو سادہ زبان لکھنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ مضمون لکھنے کے بعد اپنی تحریر پر خود تنقیدی نظر ڈالیے اور یہ دیکھیے کہ کہیں آپ کے خیالات میں الجھاؤ یا بیان میں بے ربطی تو نہیں ہے[۳]۔"

یہی مضمون دراصل آپ کی مشنری زندگی کا نقطۂ آغاز تھا اور اسی مضمون نے مولانا مودودیؒ سے تعلق قائم ہونے میں اہم رول ادا کیا۔ اس مضمون سے بآسانی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ دور طالب علمی میں آپ کو فہم قرآن میں کس قدر درک حاصل تھا؟ اور فکری صلابت کس پایہ کی تھی؟ واضح رہے کہ یہ مضمون اس وقت لکھا گیا تھا جبکہ نہ "تحریک دارالاسلام" کا کوئی ذکر تھا اور نہ "جماعت اسلامی" کے قیام کا کوئی خیال تھا لیکن آپ کے اس مضمون میں تحریک اسلامی کا پورا فلسفہ اور اس کی ساری اساسیات زیر بحث آگئی تھیں۔ تعجب تو اس پر ہوتا ہے آپ نے یہ مضمون بغیر کسی کے مشورے و رہنمائی کے لکھا تھا اور بعد میں بھی کسی سے اصلاح نہیں لی تھی۔ آپ کی اس فکری بلند آہنگی اور جذبہ و تڑپ نے مولانا مودودیؒ کو اپنی طرف متوجہ کرلیا چنانچہ علامہ اقبالؒ کے مشورے پر ایک خاص منصوبے کے تحت جب مولانا مودودیؒ نے حیدرآباد سے جمال پور (پٹھان کوٹ) منتقل ہونے کا ارادہ کیا تو ترجمان القرآن کے کاموں میں ہاتھ بٹانے کیلئے بعد فراغت تعلیم آپ کو وہاں آنے کی دعوت دی۔ آپ کیلئے اس سے زیادہ خوش بختی کی کیا بات ہوسکتی تھی۔ چنانچہ فوراً تیار ہوگئے حتیٰ کہ صحت، تکمیل تعلیم اور حصول سند کی بھی پرواہ نہیں رہی لیکن مولانا

نے ایک دوسرے خط میں لکھا: ''میں جس کام کیلئے آپ کو بلا رہا ہوں اس میں جلدی نہیں ہے سب کاموں پر مقدم صحت ہے پہلے ادھر سے اطمینان کر لیجئے پھر مدرسے سے سند تکمیل حاصل کیجئے اس کے بعد جمال پور آ جائیے[4]''

اس کے جواب میں آپ نے کیا تحریر فرمایا اس کا سراغ تو نہیں لگ سکا البتہ جواباً مولانا مودودیؒ نے جو کچھ تحریر فرمایا تھا اس سے واضح طور پر یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ آپ کے نزدیک سند وغیرہ کے حصول کی کوئی وقعت نہیں تھی بلکہ آپ کی نظر اصلاً مقصد و مشن پر تھی اور ہر قیمت پر آپ اپنے آپ کو اس راہ میں کھپا دینا چاہتے تھے۔ مولانا مودودیؒ کے جوابی خط کے الفاظ درج ذیل ہیں۔

''میں تو امتحان اور سند کو ایک فضول سی چیز سمجھتا ہوں لیکن میں نے محض اس خیال سے آپ کو امتحان اور حصول سند کا مشورہ دیا تھا کہ آپ کو اپنی محنت رائیگاں جانے کا رنج نہ ہو اگر آپکی نگاہ میں خود بھی ان چیزوں کی اہمیت نہیں تو میرے لئے ایک گونہ خوشی ہی کا باعث ہے۔''

آپ کو اب علاج کی طرف جلدی توجہ کرنی چاہیئے وقت بہت کم ہے اور کام بہت کرنے ہیں اسلئے جس قدر جلدی آپ علاج کے مرحلے سے فارغ ہو جائیں اسی قدر بہتر ہے۔ میں ۱۰ر ذی القعدہ کو حیدر آباد چھوڑ دوں گا اور ۱۵ر کو انشاء اللہ دار الاسلام پہونچ جاؤں گا۔ اس کے بعد جب آپ آنے کیلئے تیار ہوں مجھے لکھ دیجئے گا نیز مجھے اس کی بھی اطلاع دیجئے کہ آپ کی ضروریات کیا ہیں۔ مجھے کم سے کم آپ کیلئے کس قدر مصارف کا انتظام کرنا ہوگا؟ یہ چیز ریکارڈ پر نہیں ہوگی بلکہ صرف میرے اور آپ کے درمیان ہوگی۔ دار الاسلام میں آپ کی حیثیت محض ایک اعزازی رفیق کی رہے گی۔ دوسرے حضرات بھی جن کو میں دعوت دے رہا ہوں رفقاء ہی کی حیثیت سے ہوں گے۔ مگر میں نے ان سے کہہ دیا ہے جس حد تک اپنے مصارف آپ خود اٹھا سکتے ہیں آپ اٹھائیے اور جس حد تک آپ کو مدد کی ضرورت ہوگی مجھے اپنا ایک بھائی اور خادم سمجھ کر بے تکلف بتا دیجئے۔ میں خاموشی کے ساتھ آپ کا ہاتھ بٹاؤں گا اور انشاء اللہ ریکارڈ پر ایسی کوئی چیز نہ آئے گی جس سے لوگ یہ سمجھیں کہ آپ اپنی خدمات کا کوئی معاوضہ لے رہے ہیں اور در حقیقت یہاں معاوضہ

اور تنخواہ کا کوئی سوال بھی نہیں ہے یہ تو ایک ایسا کام ہے جو میری اور آپ کی زندگی کا مشترک مقصد ہے اپنے مقصد کیلئے ہم سب کوشش کریں گے اور اس کوشش میں ایک دوسرے کو سہارا دیں گے[5]''

بالآخر پروگرام کے مطابق پہلے مولانا مودودیؒ ۱۸ر مارچ ۱۹۳۸ء میں پٹھان کوٹ پہنچے اور دو ماہ بعد مئی ۱۹۳۸ء میں آپ پٹھان کوٹ حاضر ہوئے۔ اس طرح نادیدہ تعارف دیدہ و شنیدہ بنا اور رفاقت کی حدوں میں داخل ہو گیا۔ ایک موقع پر آپ نے مودودیؒ سے اپنی پہلی ملاقات کی روداد سناتے ہوئے خود فرمایا ''مولانا سے میری پہلی ملاقات مئی ۱۹۳۸ء دار الاسلام پٹھان کوٹ کے قریب سرنا اسٹیشن سے تقریباً سوڈیڑھ سو گز کے فاصلے پر ریلوے لائن پر ہوئی۔ میں اسٹیشن پر اتر کر اسٹیشن ماسٹر کے بتانے کے مطابق دار الاسلام پہنچنے کیلئے ریلوے کی پٹری پر مشرق کی طرف بڑھ رہا تھا کہ سامنے سے ایک خوش پوش وجیہ اور باوقار شخص کو چھڑی لئے ہوئے آتے دیکھا چند لمحوں میں ہم ایک دوسرے کے پاس پہنچ گئے تو سلام کے بعد موصوف نے پوچھا آپ کہاں سے آ رہے ہیں؟ میں نے بتایا سرائے میر سے اور وہ سمجھ گئے کہ میں کون ہوں۔ در اصل مولانا مجھے لینے ہی کیلئے اسٹیشن آ رہے تھے یہ تھی میری ان کی پہلی ملاقات[6]''

اس وقت سے اواخر ۱۹۴۰ء تک دونوں کا ساتھ رہا اس دوران آپ ترجمان القرآن کی تیاری میں مولانا کا ہاتھ بٹاتے رہے۔ مضامین لکھتے، ترجمے کرتے، تبصرے کے لئے آئی ہوئی کتابوں پر تبصرے کرتے اور بسا اوقات اشارات بھی تحریر فرماتے۔ چنانچہ اس دوران آپ نے شاہ ولی اللہؒ، ابن تیمیہؒ، ابن قیمؒ اور امام شاطبیؒ وغیرہ کی کتابوں کے بعض حصوں کے ترجمے کئے اسی زمانے میں معرکہ اسلام و جاہلیت اسلام اور اجتماعیت۔ حقیقت نفاق وغیرہ تصانیف ترتیب پائیں اسی زمانے میں ''اسلام اور وطنیت'' کے نام سے ایک قیمتی سلسلہ مضمون تین قسطوں میں شائع ہوا لیکن بد قسمتی سے اب تک وہ کتابی شکل میں منصۂ شہود پر نہیں آ سکا ہے۔ حالانکہ بڑھتے ہوئے وطن پرستی کے رجحانات کے تناظر میں اس کی اشاعت انتہائی ضروری ہے۔ مولانا کے ان مضامین کا عوام و خواص کا پر کیا اثر پڑ رہا تھا اور وہ آپ کے

۔۔ے میں کس طرح کے تصورات قائم کرتے تھے اس کا ایک سرسری اندازہ مولانا کے بیان ۔۔دہ اس واقعے سے بآسانی لگایا جاسکتا ہے۔ "غالباً ۱۹۴۰ء کی بات ہے جب ہم لوگ لاہور میں تھے۔ کچھ حضرات مولانا سے ملنے آئے مولانا نے ان لوگوں سے میرا بھی تعارف کرایا تو ۔۔لوگ کہنے لگے "ارے! یہ ہیں صدر الدین اصلاحی! ہم تو! ان کے مضامین پڑھ کر یہ سمجھتے تھے کہ یہ کوئی معمر اور صاحب جبہ و دستار مولانا ہوں گے ان کی تو ابھی داڑھی بھی نہیں نکلی ہے"۔

مولانا نے یہ آخری فقرہ سن کر فرمایا:

"ہاں نکلی نہیں ہے اور یہ ہر آٹھویں دن دعا کرتے ہیں کہ ابھی نہ نکلے" بات در اصل یہ تھی کہ اس وقت داڑھی نکلی تو نہ تھی مگر دو چار روئیں ضرور نکلے تھے۔ جنھیں میں نوچ یا کاٹ دیا کرتا تھا" ہر آٹھویں دن" کا اشارہ جمعہ کے دن کی طرف تھا مولانا کے اس سراپا تیر و نشتر فقرے نے مجھ پر گھڑوں پانی ڈال دیا شاید گھنٹوں کی تذکیر، تنبیہ اور افہام و تفہیم کا وہ اثر نہ ہوتا جو مولانا کے اس ایک ظرافت آمیز فقرے کا ہوا"۔

اس واقعے کا دوسرا پہلو تو اور بھی پر کیف ہے جو باہمی تعلقات کی نوعیت، نصح و خیر خواہی اور باہم اصلاح و تربیت کی منظر کشی کرتا ہے۔

اسی زمانے میں تحریک دار الاسلام (جو جماعت اسلامی کا نقش اول تھا) کے خاکے میں رنگ بھرنے کی کوششیں شروع ہوئیں چنانچہ مولانا مودودیؒ نے پیش نظر کام کی اسکیم اور دستور العمل کا خاکہ ترتیب دیا اسے تقریباً چالیس اصحاب علم و فضل کو برائے مشورہ بھجوایا جن میں مولانا مفتی کفایت اللہ، مولانا سید سلیمان ندویؒ، مولانا احمد سعید دہلویؒ، مولانا احمد علی لاہوریؒ اور مولانا مناظر احسن گیلانیؒ جیسی شخصیات بھی شامل تھیں اسے ستمبر ۱۹۳۸ء کے ترجمان القرآن جلد ۱۳ عدد ۱ میں شائع کیا یہ شمارہ بھی ہندوستان کے ممتاز علماء کو بھجوایا پھر ان میں سے اکثر کو دعوت دی کہ وہ دار الاسلام تشریف لائیں اور اپنے مشوروں سے نوازیں اور ہماری رہنمائی فرمائیں۔ چنانچہ کچھ تو تحریری آراء آئیں تقریباً ڈیڑھ درجن افراد جمع ہوئے۔ ۱۷ شعبان ۱۳۵۷ھ تا ۱۹ شعبان ۱۳۵۷ھ مشاورتی اجتماع چلا تب کہیں پوری بحث و تمحیص کے بعد دستور منظور ہو سکا۔ لیکن چودھری نیاز علی صاحب (جو ٹرسٹی تھے جنھوں

۔۔۔وقف کی تھی اور سب کچھ ہوایا تھا) نے دستور کے بعض مندرجات سے اختلاف کیا ۔۔۔آپ لوگوں کو کچھ دنوں بعد لاہور منتقل ہونا پڑا۔ بقول آپ کے وجہ اختلاف یہ تھا "اس ۔۔۔اسلامی حکومت کا ذکر تھا وہ کہتے تھے کہ "مولانا الفاظ میں کیا رکھا ہے" لیکن مولانا اس ۔۔۔میں پٹھان تھے۔ ہم نے ان سے کہا "بڑی مشکل ہے پیسہ ان کے پاس ہے اور عقل ۔۔۔پاس ہے آخر کیا وجہ ہے کہ ہم عقل کا کام نہ کریں" مولانا نے کہا نہیں ہم ۔۔۔ہیں گے اس پر چودھری نیاز علی صاحب پریشان ہو گئے جب ان کو معلوم ہوا تو انھوں نے ۔۔۔رستیوں کو بلوایا جو اس زمانے کے بڑے بڑے لوگ تھے بہت کوشش کی گئی کہ مولانا کو ۔۔۔جائے لیکن مولانا نے کہا کہ "نہیں اب نہیں" میں تھا شرقی صاحب تھے کل پانچ تھے"۔

ایک دوسرے شریک واقعہ جناب عبد العزیز شرقی صاحب نے اس پر کچھ زیادہ تفصیل سے روشنی ڈالی ہے فرماتے ہیں "اس اجتماع میں شق وار جب دار الاسلام کے ضابطوں پر بحث ہونے لگی تو اس میں ایسی شقیں بھی تھیں کہ چونکہ اسلام محض ایک عقیدہ اور چند جسمانی عبادات اور مذہبی رسموں کا مجموعہ نہیں ہے بلکہ ایک ضابطہ زندگی ہے جس کا دائرہ انسانی اعمال کے تمام گوشوں پر محیط ہے اس لئے جو لوگ دار الاسلام بنانے کیلئے انھیں وہ خود عملاً مسلمان ہوں اور اسلامی تہذیب و تمدن کا نمونہ بنیں۔ ارکان ادارہ اور معاونین کیلئے یہ لازم ہوگا کہ وہ عملاً اسلامی تعلیمات کی پیروی کریں وغیرہ جب یہ شق زیر بحث آئی تو چودھری نیاز علی خاں صاحب نے لکھا کہ یہ تو قابل عمل نہیں ہے۔ خوب یاد ہے کہ میں نے اس پر کہا کہ جن لوگوں کے نزدیک قابل عمل نہیں وہ پیچھے ہٹ جائیں۔ میں نے یہ بات اپنی ناتجربہ کاری کی بنا پر کہی تھی وہ کس طرح چھوڑ سکتے تھے وہ تو وقف کرنے والے تھے اس پر چودھری نیاز علی صاحب قدرے جھنجھلا کر گویا ہوئے کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ میں وقف کرنے والا ہوں! جب بحث طویل ہو گئی تو مودودیؒ صاحب نے فرمایا کہ آپ ایسا کیجئے کہ آپ اس کا نام "نیاز علی ٹرسٹ" رکھ لیجئے مسلم ٹرسٹ یا اسلامی ٹرسٹ رکھ لیجئے۔ اور دار الاسلام کا نام ہمیں واپس کر دیجئے یا بصورت دیگر آپ یہ جگہ ہمیں کرائے پر دے دیجئے اور ہمیں اپنی اسکیم کے مطابق کام کرنے دیجئے لیکن چودھری صاحب آمادہ نہ ہوئے اور کہنے لگے

کہ "نہیں صاحب یہ نہیں ہوسکتا" اور اس کے بعد اجلاس ختم ہوگیا۔

اب اصل پریشانی تو اس شخص کو تھی جو سب کچھ اٹھا کر وہاں لے آیا تھا اسی دوپہر میں آرام کرنے کی غرض سے کمرے میں لیٹا ہوا تھا کچھ اونگھ سی آگئی تھی۔ تھوڑی دیر بعد اٹھا تو ساتھ والے کمرے میں کچھ آوازیں سنائی دیں۔ دیکھا تو چار اصحاب تشریف فرما تھے۔ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی، صدرالدین اصلاحی صاحب، مستری محمد صدیق صاحب اور سید محمد شاہ صاحب۔ اب اسے کیفیت تقویٰ کہئے یا طہارت قلب کہ میں نے انہیں دیکھا تو پیچھے ہٹ آیا جاکر پہلے وضو کیا اور پھر اجازت لے کر ان کے درمیان میں بھی بیٹھ گیا بات یہ ہو رہی تھی کہ اب کیا کیا جائے اور بات کس طرح بنے؟ آخر بڑے غور وفکر کے بعد یہ طے ہوا کہ ہم خیال افراد کی ایک باقاعدہ تنظیم قائم کرلی جائے اور وہ تنظیم پیش آمدہ مسائل پر باہمی مشاورت سے فیصلے کرے چنانچہ وہ پہلی جماعت بنی اور اس مجلس میں موجود ہم پانچوں افراد نے اپنے آپ کو جماعت کی رکنیت کیلئے پیش کیا اس کے بعد باتفاق رائے مولانا مودودیؒ صاحب کو اپنا صدر منتخب کرلیا لیکن ان کی درخواست پر یہ صدارت اس وقت تک کیلئے عارضی رکھی گئی جب تک کہ چالیس ارکان فراہم نہ ہوجائیں اور یہ کہ باقی ۳۵ ارکان کی شمولیت کے بعد از سر نو انتخاب ہوگا۔ اس کے بعد مولانا مودودی صاحب نے فرمایا کہ بھئی چونکہ اب جماعت بن گئی ہے اس لئے اب جماعت فیصلہ کرے کہ کیا کیا جائے میں نے کہا کہ صاحب اب تو اٹھنا ہی ہے اس کے سوا جب کوئی چارہ ہی باقی نہیں رہا تو فیصلہ یہ کیا جائے کہ اٹھ کر کہاں جایا جائے؟ اس کے ساتھ ہی میں نے پیشکش کی کہ جالندھر چلا جائے۔ سید محمد شاہ صاحب نے کہا کہ لاہور چلیں' مستری محمد صدیق صاحب نے کہا کہ جلد بازی سے کام نہ لیجئے اور مجھے موقع دیجئے کہ میں چودھری صاحب سے اس مسئلہ پر ذرا ایک بار پھر کھل کر گفتگو کر لوں۔ میں نے مستری صاحب کی مخالفت کی اور کہا کہ "صاحب ابھی ہم ایک فرلانگ چلے ہیں۔ یہاں سے جدا ہوجانا ہمارے لئے آسان ہے بہ نسبت اس کے کہ ہم چار پانچ میل جاکر جدا ہوں۔ جب چودھری صاحب نہ یہ مانتے ہیں نہ وہ تو اب اس کے سوا کیا چارہ باقی رہ جاتا ہے کہ یہاں سے کہیں اور جایا جائے" لیکن مولانا مودودی صاحب نے فرمایا، "بھئی

اس میں کیا حرج ہے کہ اگر مستری صاحب اپنی سی کر کے دیکھ لیں، ایک دو دن میں یہ ان سے بات کرلیں گے"۔ میں دل میں ایک بار پھر ان کے تحمل وتدبر پر عش عش کر اٹھا بالآخر ہم سب نے کہا اچھا مستری صاحب مل دیکھیں چنانچہ مستری صاحب اسی وقت اٹھے اور چودھری نیاز علی خاں صاحب سے جا کر ملے، دوسری ملاقات انھوں نے عصر کے بعد کی پھر شاید عشاء کے بعد یا دوسری صبح کو، مستری صاحب چودھری صاحب کو آمادہ کرنے میں ناکام رہے اور ہمیں آ کر بتایا کہ بھئی وہ کسی طرح بھی نہیں مان رہے[9]۔"

۱۳ اکتوبر ۱۹۳۸ء کو اس طرح اس پہلے مرحلے میں صرف پانچ کا قافلہ بن سکا اور انہوں نے اللہ کے نام پر کام شروع کردیا اس نازک موڑ پر آپ نے صدیقیت کا جو رول ادا کیا وہ اس تاریخ کا ایک سنہرا باب ہے جو ہمیشہ آنے والی نسلوں کو عزیمت واستقامت کی راہ دکھاتا رہے گا۔

اس زمانے میں اپنوں کی اس طرح کی روش کے ساتھ اغیار کی یورش بھی کم نہ تھی ہر طرح سے پریشان کیا جارہا تھا ترجمان کو سنسر کیا جاتا جنگ عظیم دوم چھڑ جانے کی وجہ سے حالات اور بھی پیچیدہ ہوگئے تھے چونکہ اشارات میں اس جنگ کے حوالے سے بھی تنقید ہوتی اس لئے مخالفت اور بھی شدید تھی، اور طرح طرح کی دھمکیاں دی جاتی تھیں پھر بھی استقامت کے ساتھ تگ ودو جاری رہی۔

اواخر ۱۹۴۰ء میں آپ وطن آئے تو شدید جنگی حالات کی وجہ سے واپسی ممکن نہیں تھی اسی وقت میں آپ کے معزز استاد مولانا امین احسن اصلاحیؒ نے رنگون کے ایک مدرسہ میں تدریس کی خدمت کیلئے بھیجنا چاہا، چونکہ گھر پر خالی تھے، معاشی حالات بھی اچھے نہیں تھے اس لئے زمانہ جنگ ہی میں جون ۱۹۴۱ء میں دار العلوم جمعیۃ العلماء، ۱۲۸۲ سٹرینڈ روڈ رنگون (برما) چلے گئے اور مولانا مودودیؒ کو مطلع کردیا بلکہ مولانا مودودیؒ کے جواب سے تو ایسا اندازہ ہوتا تھا کہ آپ نے مولانا سے بحیثیت امیر اجازت طلب کی تھی چنانچہ مولانا مودودیؒ نے جواب میں لکھا "کارڈ ملا" خطیب صاحب سے مراد غالباً مولوی عبداللہ رشید صاحب ہیں ان کا خط ابھی تک میرے پاس نہیں آیا اگر وہ مجھے لکھیں گے تو میں بخوشی ان کو اجازت

دیدوں گا اور آپ کو بھی اجازت دیتا ہوں۔ میں بہرحال آپ کی بہتری چاہتا ہوں البتہ یہ خیال رکھیے کہ رنگون میں بہت احتیاط سے رہنا ہوگا وہاں ہندوستانیوں کی زندگی روز بروز تنگ اور مخدوش ہوتی جارہی ہے۔

رنگون میں اپنا کام کرنے کے ساتھ ساتھ آپ انگریزی اور جاپانی زبانیں سیکھنے کی کوشش کیجئے۔ انگریزی تو صرف استفادہ کیلئے سیکھئے مگر جاپانی میں اتنی مہارت پیدا کرلیجئے کہ آسانی کے ساتھ لکھ سکیں میں سمجھتا ہوں کہ دوڈھائی سال کی محنت اس کیلئے کافی ہوگی'' ۱۰

رنگون پہنچ کر آپ نے مولانا کو خط لکھا تو مولانا نے مجاہدہ حق پر استواری اور پیش نظر نقشہ کے مطابق کام کرنے کی تلقین کرتے ہوئے لکھا ''کل آپ کا کارڈ ملا آپ کے بچے کی وفات کی اطلاع پاکر سخت رنج ہوا۔ اللہ آپ کو صبر عطا فرمائے اچھا کیا کہ رنگون چلے گئے اس طرح توجہ ہٹ جائے گی ورنہ وطن رہنے کی صورت میں یہ صدمہ جانگسل ہوتا۔ مومن کیلئے مصیبت اور راحت دونوں ابتلاء ہیں ایک پر صبر اور دوسرے پر شکر ہی میں کامیابی ہے۔

رنگون رہ کر اپنے فرض کو نہ بھولئے جہاں بھی آپ رہیں حق کی طرف لوگوں کو دعوت دیجئے اور جماعت اسلامی بنانے کی کوشش کیجئے وطن میں دوڈھائی سال تک آپ کا قیام اگرچہ مشکلات اور پریشانیوں کے ساتھ تھا لیکن ان چیزوں سے اتنا مغلوب ہوجانا کہ مجاہدۂ حق سے عملاً کنارہ کشی ہوجائے کوئی اچھی علامت نہیں ہے اب کہ اللہ نے طمانیت عطا فرمادی ہے آپ کو سابق کی تلافی کرنی چاہئے کہ آپ کا رب آپ سے راضی ہوجائے۔

جماعت اسلامی کی تشکیل کے سلسلے میں جو کچھ میں نے محرم کے پرچے میں لکھا ہے اس کو پیش نظر رکھ کر اسی نقشہ پر کام شروع کردیجئے۔ پہلے کلمۂ توحید کی دعوت دیجئے جو اسے سمجھ کر ایمان لانے پر آمادگی ظاہر کرے اسے جماعت میں شامل کیجئے اور اس کی صلاحیتوں کے مطابق اس سے کام لیجئے۔ یہاں عنقریب ایک اجتماع کر کے جماعت کی باقاعدہ تشکیل کردینے کا خیال ہے۔ آپ کو اس میں بلانے کا ارادہ تھا مگر اب آپ اتنی دور ہیں کہ آنا مشکل ہے۔ بہرحال جو کچھ طے ہوگا آپ کو اطلاع دے دی جائے گی اور آئندہ آپ بھی اپنے کام سے متعلق ضروری اطلاعات دیتے رہیئے۔ ۱۱

آپ رنگون (برما) ہی میں تھے کہ جماعت اسلامی کا تاسیسی اجتماع ۲۵ تا ۲۹ اگست ۱۹۴۱ء کو لاہور میں ہوا آپ شدید جنگی حالات کی وجہ سے شرکت نہیں کرسکے اپنے مولانا مودودیؒ نے تحریک دارالاسلام کی رکنیت کی وجہ سے جماعت اسلامی کے ارکان کی فہرست میں آپ کو بھی شامل رکھا اور آپ کے بیان کے مطابق اطلاع دیتے ہوئے لکھا کہ ''چونکہ تم بڑے دوردراز مقام پر تھے اس لئے تاسیسی اجتماع میں تمہیں نہیں بلایا جاسکا بہرحال اب جبکہ جماعت اسلامی قائم کی جاچکی ہے اس کے رکن کی حیثیت سے وہاں دعوتی فرائض انجام دیتے رہو۔'' ۱۲

چونکہ رنگون آپ کیلئے نئی جگہ تھی اور حالات بہت خراب تھے اس لئے اس جہت میں آپ وہاں کچھ نہ کرسکے بلکہ حالات نارمل نہ رہنے کی وجہ سے چھ ماہ بعد دسمبر ۱۹۴۱ء ہی میں وطن لوٹ آئے اس کے بعد حصار موجودہ ہریانہ چلے گئے جہاں جماعت کا ایک مدرسہ قائم کیا گیا تھا وہیں تدریسی خدمات انجام دینے لگے۔

۱۹۴۵ء میں جنگ کے خاتمے کے بعد جماعت اسلامی کے اولین کل ہند اجتماع کا اعلان کیا گیا تو آپ نے اس میں شرکت فرمائی اسی موقع سے یہ بھی طے ہوا کہ آپ مرکز میں قیام کریں چنانچہ آپ وہاں ٹھہر گئے لیکن چند ماہ ہی قیام رہا ہوگا کہ مدرسۃ الاصلاح سرائے میر اعظم گڈھ میں بحرانی کیفیت پیدا ہوئی تو ذمہ داران مدرسہ نے اس پر کنٹرول پانے کیلئے مولانا مودودیؒ سے کچھ افراد کا مطالبہ کیا چنانچہ مولانا مودودیؒ کے حکم پر مرکز جماعت سے آپ، مولانا ابوبکر اصلاحیؒ بستی کے ایک مدرسہ سے اور مولانا ابواللیث اصلاحی ندوی اخبار ''مدینہ'' بجنور سے مدرسۃ الاصلاح پہنچے آپ کے بارے میں طے تھا کہ حالات نارمل ہوجائیں گے تو مرکز بلالیا جائے گا جیسا کہ مولانا مودودیؒ نے انھیں لکھا تھا ''پانچ چھ ماہ میں جب حالات نارمل ہوجائیں گے اور متبادل پیدا ہوجائے گا تب ہم تم کو واپس بلالیں گے'' ۱۳

بعد میں تقسیم ملک نے یکایک ایسی دیوار حائل کردی کہ تاحیات ملاقات نہ ہوسکی۔ بس ۲۶ ستمبر ۱۹۷۹ء کو صرف ان کے جسد خاکی کا دیدار کرسکے نماز جنازہ میں شرکت کے دوران آپ کے کیا احساسات تھے؟ جناب انتظار نعیم صاحب نے ایک انٹرویو لیتے ہوئے

ب آپ سے یہ سوال کیا تو آپ کا جواب تھا "مولانا کے جنازے کی قذافی اسٹیڈیم روانگی کے دوران سے لے کر نماز جنازہ سے واپسی تک مجھے کچھ ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ میرے ساسات تقریباً سن ہو کر رہ گئے ہیں آپ لوگ تو جنازہ سے پہلے ہی قذافی اسٹیڈیم جا چکے تے لیکن میں اس ٹرک پر سوار ہو کر اسٹیڈیم پہنچا تھا جس پر جنازہ کا تابوت رکھا ہوا تھا۔ تابوت کے ارد گرد ہم کوئی سات آٹھ افراد ٹرک پر کھڑے تھے میں کبھی اس تابوت کو دیکھتا جس کے صدف میں اس دور کا گوہر یکتا بند تھا کبھی اپنے ساتھ ٹرک پر موجود بزرگوں مولانا کے صاحبزادوں کو اور کبھی کلمہ طیبہ کا مسلسل ورد کرنے والے اس مجمع کو جو تا حد نظر کے پیچھے چل رہا تھا میں یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا اور دم بخود تھا یعنی وہی بات کہ میرے ساسات سن ہو کر رہ گئے تھے البتہ دو باتیں میرے فکر و فہم کیلئے بڑے سکون و اطمینان کا موجب بنی ہوئی تھیں ایک تو یہ کہ یہ سورج تو ضرور تہ خاک چھپ گیا ہے مگر اس کی کرنیں انشاء اللہ بدستور روشن رہیں گی۔ میرے اس احساس کی بنیاد جذبات پر نہیں بلکہ ٹھوس حقائق پر تھی اور دوسری بات یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس بندے کے ساتھ ضرور بہتر معاملہ کیا ہوگا جس سے اس کے ہزاروں بندوں نے ہدایت حق کی دولت پائی اور نہ معلوم ابھی کتنے اور پاتے رہیں گے اور جو اس کے دین کا اقصائے عالم میں غلغلہ برپا کر گیا ہے۔"۱۴

بعد کے لمحات میں بھی جب کبھی مولانا مودودیؒ کا ذکر چھڑ جاتا تو آپ کے لڑکوں کا بیان ہے کہ آپ وجد میں آ جاتے تھے اور یادوں کی دنیا میں کھو جاتے۔ بڑے احترام سے نام لیتے اور ان کی رفاقت میں گذرے ہوئے اوقات کو اپنی زندگی کے قیمتی لمحات تصور کرتے۔

تاریخ گواہ ہے کہ دونوں نے اللہ سے جو عہد کیا تھا تا عمر اس پر ڈٹے رہے نہ آندھیوں اور طوفانوں نے راہ روکی اور نہ فرقت وجدائی نے کوئی خلل آنے دیا بلکہ اپنی اپنی جگہ آفتاب و ماہتاب بن کر دنیا کو صراط مستقیم کی طرف رہنمائی کرتے رہے اور دنیا سے منوالیا کہ "الاسلام یعلو ولا یُعلیٰ علیہ" "اسلام غالب ہونے کے لئے ہے نہ کہ مغلوب۔ اسلامی نشأۃ ثانیہ کیلئے کی گئی آپ دونوں کی مساعی جمیلہ کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے مدیر حیات تو عبدالبر اثری فلاحی صاحب نے بجا لکھا ہے۔" دونوں نے مل کر اس فکر کا

ابیاری بویا اور اس طرح آبیاری کی کہ تاریخ کے دھارے کو موڑ دیا اور پھر اس کا ایک سنہرا باب بن گئے۔ ایک طرف جہاں مولانا مودودیؒ نے مغربی نظریات کے تار و پود ادھیڑ ے اور اسلام کی حقانیت ثابت کی وہیں مولانا صدرالدین اصلاحیؒ نے بے اعتدالیوں اور جہالت کی وجہ سے دین حق پر جو گرد و غبار پڑ گئے تھے اسے صاف ستھرا کر کے دین کا قرآنی تصور لوگوں کے سامنے پیش کیا جسے ان کی معرکۃ الآراء تصانیف "دین کا قرآنی تصور" "فریضہ اقامت دین" اور "معرکہ اسلام و جاہلیت" میں بآسانی ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔ اسی طرح جہاں مولانا مودودیؒ نے اسلام کے انقلابی اور ہم جہتی و تکمیلی پہلوؤں کو زیادہ اجاگر کیا اسی طرح مولانا صدرالدین اصلاحیؒ نے اسلام کے روحانی اخلاقی اور معاشرتی پہلوؤں کو زیادہ اجاگر فرما کر گویا اس فکر کو اور بھی مدلل اور دوبالا کر دیا جس کو مولانا کی بے نظیر تصانیف "اساس دین کی تعمیر" "اسلام اور اجتماعیت" "حقیقت نفاق" اور "نکاح کے اسلامی قوانین" وغیرہ میں واضح طور پر محسوس کیا جا سکتا ہے۔۱۵

آپ کے علم و فکر پر خود مولانا مودودیؒ کو اس قدر اعتماد تھا کہ اپنے تشنہ کاموں کی تکمیل کیلئے آپ ہی یاد آئے "چنانچہ آخری عمر میں جبکہ سیرت سرور عالم ﷺ" کی تیسری جلد کی تکمیل سے مایوس ہونے لگے تو اظہار فرمایا کہ "میری منشا کے مطابق واقعی تکمیل صرف ایک فرد کر سکتا ہے اور وہ مولانا صدرالدین اصلاحی ہیں۔"۱۶

آپ دونوں کے دیرینہ تعلقات کا نقطۂ عروج "تلخیص تفہیم القرآن" ہے ایک طرف جہاں مفسر قرآن ہونے اور اپنی تشنہ تکمیل تفسیر "تیسیر القرآن" کا کام سامنے ہونے کے باوجود آپ نے "تلخیص تفہیم القرآن" کا بیڑا اٹھا کر فدویت و محبت کا ثبوت دیا وہیں مولانا مودودیؒ نے بھی ملخص کی حیثیت سے آپ کا نام سامنے آ جانے پر بخوشی اجازت دیتے ہوئے "تلخیص تفہیم القرآن" پر آپ کا نام بھی لکھے جانے کی شرط لگا کر جس بے بدل اپنائیت اور ایثار کا ثبوت دیا اس کی نظیر ملنی مشکل ہے۔ آج تو حال یہ ہے کہ علم کے پندار میں لوگ اس طرح کے کاموں کیلئے آمادہ ہی نہیں ہوتے البتہ دوسروں کی کاوشوں سے تیار شدہ کتابوں تک کو صرف اپنے نام سے چھپوانا باعث اعزاز سمجھتے ہیں۔

حواشی

۱- مولانا صدر الدین اصلاحیؒ "مسلمان اور امامت کبریٰ" تعمیر پبلیکیشنز، ۱۹/۱۰ الفلاح منزل، جامعہ نگر، نئی دہلی -۲۵ (۱۹۸۸) ص الف (عرض ناشر)

۲- پرواز رحمانی، آصف عمر تحریک کا آغاز، دارالاسلام کا قیام، جماعت کی تشکیل (انٹرویو) سہ روزہ دعوت نئی دہلی (تحریک اسلامی کے پچاس سال نمبر) ج ش ص ۲۵

۳- مولانا مودودیؒ کے خطوط مولانا صدر الدین اصلاحی کے نام، سہ روزہ دعوت نئی دہلی (تحریک اسلامی کے پچاس سال نمبر) ج ش ص ۱۰۹

۴- حوالہ بالا ص ۱۱۱

۵- حوالہ بالا ص ۱۱۱

۶- انتظار نعیم، خوب تر تھا صبح کے تارے سے بھی تیرا سفر (انٹرویو) روزنامہ دعوت دہلی (سید مودودیؒ نمبر) ج ش ص ۸

۷- حوالہ بالا ص ۱۰

۸- پرواز رحمانی، آصف عمر تحریک کا آغاز، دارالاسلام کا قیام، جماعت کی تشکیل (انٹرویو) سہ روزہ دعوت نئی دہلی (تحریک اسلامی کے پچاس سال نمبر) ج ش ص ۳۶

۹- نعیم صدیقی، جمیل احمد رانا، سلیم منصور خالد، تذکرہ سید مودودیؒ (سید محمد عبد العزیز شرقی سے انٹرویو) ادارہ معارف اسلامی منصورہ لاہور ج ۱ (۱۹۸۶) ص ۲۹۳-۲۹۵

۱۰- مولانا مودودیؒ کے خطوط مولانا صدر الدین اصلاحی کے نام، سہ روزہ دعوت نئی دہلی (تحریک اسلامی کے پچاس سال نمبر) ج ش ص ۱۱۲

۱۱- حوالہ بالا ص ۱۱۲

۱۲- پرواز رحمانی، آصف عمر تحریک کا آغاز، دارالاسلام کا قیام، جماعت کی تشکیل (انٹرویو) سہ روزہ دعوت نئی دہلی (تحریک اسلامی کے پچاس سال نمبر) ج ش ص ۲۷

۱۳- حوالہ بالا ص ۲۷

۱۴- انتظار نعیم، خوب تر تھا صبح کے تارے سے بھی تیرا سفر (انٹرویو) روزنامہ دعوت دہلی (سید مودودیؒ نمبر) ج ش ص ۱۰-۱۱

۱۵- عبد البر اثری فلاحی، جہان فکر و نظر کا امام اور سلطان مولانا صدر الدین اصلاحیؒ (حیات نو) بلریا گنج ج ۱۵ ش ۱-۲ (۱۹۹۹ء) ص ۳-۴

۱۶- حوالہ بالا ص ۴

مولانا صدر الدین اصلاحیؒ اور تحریک اسلامی ہند

نظام الدین اصلاحی
استاذ تفسیر و ادب جامعۃ الفلاح، بلریا گنج، اعظم گڑھ (یو پی)

مولانا صدر الدین اصلاحی مرحوم سے استادی اور شاگردی کا تعلق ہونے کی وجہ سے میں مولانا سے کافی قریب رہا۔ میں نے مدرسۃ الاصلاح میں آزادی ہند سے پہلے عربی کی مشہور، متداول کتابیں مولانا موصوف سے پڑھیں اور شاگردی کی مدت ۱۹۳۶ء سے لے کر ۱۹۳۸ء تک محیط ہے عربی ادب اور قرآن وہ خاص مضامین ہیں جو میں نے مولانا محترم سے آخری درجات میں پڑھیں اور میں ۱۹۳۸ء میں مدرسۃ الاصلاح سے فارغ ہوگیا۔ مولانا کا درس قرآن اعلیٰ معیار کا درس ہوا کرتا تھا مولانا جماعت اسلامی کے موسسین میں ہیں چونکہ موصوف کا مزاج شروع زمانے سے ہی تحریکی تھا اور جماعت اسلامی کی تشکیل سے پہلے ہی آپ کا ربط و تعلق مولانا مودودیؒ سے قائم ہوگیا تھا اس لئے جماعت کی تشکیل کے بعد اس میں شامل سمجھ لئے گئے۔ موصوف کو درخواست دے کر رکن بننا نہیں پڑا بلکہ وہ ۷۵ آدمی جو تحریک کے نقش اول دارالاسلام کے موسسین تھے انھیں مولانا مودودیؒ نے موسس تحریک سمجھ کر ان کو جماعت میں شامل کرلیا۔

چونکہ مولانا اصلاحی مرحوم کا مزاج دعوتی اور تحریکی رہا اس لئے ان کے زیر درس طلبہ یہ مزاج پیدا ہونا قرین قیاس تھا۔ مولانا کا قرآن مجید سے شغف اور درس میں محنت و لگن ایسی چیزیں تھیں جو طلبہ پر بے حد اثر انداز ہوتی تھیں چونکہ آزادی وطن سے قبل جماعت اسلامی کے نام سے جماعت تشکیل ہوچکی تھی اس لئے مولانا پورے مدرسہ میں اس تحریک کے پھیلنے کا ذریعہ بنے پھر مولانا کے درس کی ایک اہم خصوصیت زور استدلال تھا۔ مولانا ایک ایک آیت کو اس طرح واضح فرماتے چلے جاتے تھے کہ طلبہ کو زیادہ سوال کرنے کی ضرورت نہیں آتی تھی اور تمام پہلو واضح ہوجاتے تھے لیکن سوالات کرنے کے لئے مولانا ہم طلبہ کو حوصلہ عطا فرماتے تھے اور اگر ہم لوگ سوالات کرتے تو خوش ہوتے اور بڑی مسرت کے

ساتھ جوابات عنایت فرماتے۔ سوالات کرنے بلکہ اعتراض کرنے تک کی مدرسۃ الاصلاح میں روایت رہی ہے جو بعض مدارس میں ناپسندیدہ سمجھا جاتا تھا اور شاید اب بھی ناپسندیدہ سمجھا جاتا ہے مگر مدرسۃ الاصلاح میں معاملہ اس کے برعکس تھا ایک انٹرویو میں ایک صاحب نے مولانا سے دریافت کیا کہ آپ تحریک اسلامی سے کیسے متاثر ہوئے تو مولانا نے فرمایا کہ میں تو اصلاً مولانا فراہی کی تحریروں کی وجہ سے پہلے ہی سے متاثر تھا اس لئے کہ میں مولانا فراہی کی کتابوں اور غیر مطبوعہ تحریروں کو حاصل کرکے پڑھا کرتا تھا اس سے میرا یہ ذہن بنتا گیا۔ راقم الحروف کو مولانا کے اس خیال سے واقفیت نہیں تھی مگر میں نے جب خود مولانا فراہی کی کتاب ''فی ملکوت اللہ'' پڑھی تو میرا ذہن بھی اس طرف گیا کہ ضرور ان کے شاگردوں نے اس کتاب سے قیام خلافت اللہ کا جذبہ حاصل کیا ہوگا فراہی سمینار ۹۱ء میں اسی کتاب کو بنیاد بنا کر میں نے ایک مقالہ پیش کیا جس میں انقلاب اسلامی کا تصور میں نے پیش کیا تھا اور جب ادھر آج کل مولانا صدرالدین صاحب کا مذکورہ انٹرویو پڑھا تو مجھے بے حد خوشی ہوئی کہ جو تصور میں نے اس کتاب سے قائم کیا تھا وہ صحیح تھا اور اس کی صحت کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ مدرسۃ الاصلاح نے جتنی نامی گرامی شخصیتیں پیدا کیں سب کے سب حضرات جماعت اسلامی میں شامل ہوگئے بلکہ ہندوستان میں جماعت اسلامی کو بڑھانے اور ترقی دینے میں انھیں کا کردار نمایاں ہے جن میں خاص طور سے مولانا امین احسن اصلاحیؒ، مولانا اختر احسن اصلاحیؒ، مولانا صدرالدین اصلاحیؒ، مولانا ابواللیث اصلاحی ندویؒ، مولانا وحیدالدین خاں وغیرہم قابل ذکر ہیں جن میں مؤخرالذکر نے کبھی اپنے نام کے ساتھ اصلاحی نہیں لکھا صرف حرف خان ہی لکھا اور اب ان کا راستہ بدلا ہوا ہے۔

مولانا صدرالدین اصلاحی صاحب مرحوم ضلع اعظم گڈھ کے ایک مردم خیز گاؤں سیدھا سلطان پور کے رہنے والے تھے یہی وہ گاؤں ہے جہاں کے ایک مشہور بزرگ مولانا محمد شفیع مرحوم نے مدرسۃ الاصلاح کی بنیاد ڈالی اور جسے مولانا فراہی نے اپنے علمی وجود سے بام عروج تک پہنچایا اور بہترین انقلابی شخصیات پیدا کیں۔ آپ ہی کے شاگردوں کے فیضان سے مولانا صدرالدین صاحب مرحوم کو بھی ابھرنے کا موقع ملا۔

ایک اخبار نویس نے مولانا سے سوال کیا۔

سوال: آپ کی گفتگو سے یہ واضح ہے کہ اسلام کی یہ فکر آپ کے اندر پہلے سے موجود تھی کیا اس کی تفصیلات پر روشنی ڈالنا پسند فرمائیں گے۔

جواب: یہ صحیح ہے کہ مولانا مودودیؒ کی تحریروں سے مجھے تحریک ملی لیکن یہ فکر دراصل پہلے ہی سے میرے اندر بحمداللہ موجود تھی اور یہ سب علامہ حمیدالدین فراہیؒ کا فیض تھا۔ میں ۱۹۲۹ء میں مدرسۃ الاصلاح میں داخل ہوا ابھی فارسی ہی پڑھ رہا تھا کہ مولانا فراہیؒ کا انتقال ہوگیا ان سے فیض یافتہ اساتذہ سے پڑھا۔ علامہ مرحوم کی مطبوعہ غیر مطبوعہ تحریروں کو چرا چرا کر پڑھا کرتا تھا جو وہاں الماریوں میں محفوظ تھیں ان تحریروں نے میرے ذہن کو اسلامی سانچے میں ڈھالنے میں بڑا ہی اہم رول ادا کیا۔ (دعوت کا تحریک اسلامی کے پچاس سال نمبر ص ۳۶)

مولانا مرحوم کو ابتدائی دور سے ہی جو دینی اور علمی ماحول ملا اس نے ان کے ذہن کو بنانے میں بہت اہم کردار ادا کیا یہاں تک کہ ابھی مدرسۃ الاصلاح سے فارغ بھی نہ ہوئے تھے کہ مولانا مودودی کے رسالہ ترجمان القرآن میں ان کے مضامین شائع ہونے لگے اور مولانا مودودی سے تعلقات کی استواری کا ذریعہ ثابت ہوئے۔ مولانا مودودیؒ کی نظر جوہر شناس نے آپ کی فطری صلاحیتوں کو بھانپ لیا اور انھیں اپنے پاس بلا لیا۔ لیکن ۱۹۴۶ء میں مدرسۃ الاصلاح پر ہنگامی صورت حال پیدا ہوئی تو ناظم مولانا بدرالدین صاحب اصلاحی کی درخواست پر متعدد ممتاز اصلاحیوں کے ساتھ آپ کو بھی عارضی طور پر صورت حال کو سنبھالنے اور تدریسی خدمات انجام دینے کے لئے مدرسۃ الاصلاح بھیجا لیکن خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ ملک تقسیم ہوگیا اور آپ کے لئے واپس پٹھان کوٹ مولانا مودودیؒ کی صحبت میں جانا ممکن نہیں رہا۔ بعد میں مولانا مودودیؒ نے سارا انتظام فرما کر پاکستان آنے کی دعوت دی لیکن گھریلو اسباب سے پھر بھی جانا نہیں ہو سکا۔ بہر حال اس میں بھی اللہ کی بہت بڑی حکمت تھی، ظاہر ہے کہ مولانا مودودیؒ اور مولانا امین احسن اصلاحیؒ جیسی شخصیات پاکستان میں تھیں لیکن ہندوستان میں آئندہ تحریک کی قیادت و رہنمائی کے لئے کوئی نہیں بچ رہا تھا شاید اسی لئے اللہ تعالیٰ نے غیب سے اس طرح کا انتظام فرما دیا۔

تقسیم ملک کے بعد مایوسی کی جو کیفیت پیدا ہو رہی تھی اس سے تمام وابستگان جماعت اور مسلمانان ہند کو نکالنے اور جماعت اسلامی ہند کی تشکیل جدید میں آپ اور مولانا ابواللیث صاحب اصلاحیؒ کی جو خدمات ہیں انھیں کبھی بھلایا نہیں جاسکتا۔ اس وقت سوچنے کے جو نئے انداز پیدا ہو رہے تھے اسے صحیح رخ دینے میں آپ نے بنیادی کردار ادا کیا تھا۔

تقسیم ملک کے بعد تشکیل جدید کے لئے جو پہلا اجتماع عام ۱۶-۱۸/اپریل ۱۹۴۸ء میں ہرواره الٰہ آباد میں ہوا تھا۔ اس میں آپ بھی شریک تھے۔ آپ کا نام بھی امارت کے لئے پیش ہوا۔ لیکن آپ کا پیش کردہ نام یعنی مولانا ابواللیث صاحب اصلاحیؒ ندوی کا نام زیادہ موزوں سمجھا گیا۔ اس لئے اتفاق رائے سے وہی امیر منتخب ہوئے اور ابتداء چونکہ مرکز جماعت مدرسۃ الاصلاح سرائے میر بنا اور آپ وہاں مقیم تھے اس لئے برابر مولانا ابواللیث صاحب مرحوم کو آپ کا تعاون حاصل رہا۔ اسی موقع سے آپ رکن شوریٰ منتخب ہوئے تھے اور تقریباً تاحیات برابر رکن شوریٰ رہے۔

۱۹۴۹ء میں مرکز جماعت جب منتقل ہوا تو پہلے ملیح آباد اور پھر رامپور شعبۂ تحقیق وتصنیف سنبھالنے کے لئے آپ کو مرکز جماعت بلالیا گیا اور وہاں دیگر لٹریچر کی تیاری کے ساتھ بالخصوص غیر مسلم ذہن کو سامنے رکھ کر قرآن مجید کے ترجمے اور تفسیر کی تیاری کا کام آپ کے سپرد کیا گیا۔ چنانچہ "تیسیر القرآن" کے نام سے آپ نے یہ کوشش شروع کی۔ چونکہ براہ راست آپ کے لئے ہندی میں یہ کام انجام دینا ممکن نہ تھا اس لئے آپ نے اردو میں لکھنا شروع کیا اور یہ طے پایا کہ کوئی ہندی زبان کا ماہر اس کا ترجمہ کردے چنانچہ آپ نے سورۃ البقرہ مکمل کر ڈالی جو ماہنامہ زندگی میں نومبر ۱۹۵۰ء تا ۱۹۵۳ء کے شماروں میں شائع ہوتا رہا البتہ ہندی ترجمہ صرف پہلے پارے ہی کا ہوسکا اور چھپ کر عوام تک پہنچا۔

گرچہ جماعتی ضرورت کے تحت آپ نے مختلف ذمہ داریاں نبھائیں ہنگامی حالات میں امیر جماعت مولانا ابواللیث صاحب اصلاحی ندویؒ کی اسیری کی وجہ سے ۱۹۷۶ء میں امیر جماعت بنائے گئے۔ وقتاً فوقتاً قائم مقام امیر جماعت کی حیثیت سے بھی خدمات انجام دیں۔ ثانوی درس گاہ کے نصاب کی تیاری کی سعی اور نظامت کے فرائض بھی انجام دیئے۔ لیکن آپ کا اصل کام جماعت کی فکری رہنمائی اور حسب ضرورت لٹریچر کی تیاری تھا۔ چنانچہ اس پہلو سے آپ نے جو بے نظیر خدمات انجام دیں اس میں کوئی آپ کا ثانی نہیں۔ تحریک اسلامی کے قیام کے حقیقی ووقتی محرکات سے آگاہ کرنے، اس کے نصب العین اور طریقۂ کار کی وضاحت کے لئے "تحریک اسلامی ہند" کے نام سے آپ نے جو کتاب تیار کی اپنے موضوع پر وہ حرف آخر کی حیثیت رکھتی ہے۔

تحریک اسلامی کے سلسلے میں سب سے زیادہ شکوک وشبہات علماء کے ذہنوں میں پائے جاتے تھے اور ان کی جانب سے طرح طرح کے اعتراضات بھی سامنے آتے تھے۔ ان کے ان شکوک وشبہات کو رفع کرنے اور اعتراضات کا جواب دینے کے لئے کتاب وسنت کی روشنی میں خالص اصولی انداز کی اتنی مسکت اور مدلل کتاب "فریضۂ اقامت دین" کے نام سے تیار کی کہ پھر کسی کو انگلی اُٹھانے کا موقع نہیں رہا۔

اسی طرح خود وابستگان تحریک کو منزل مقصود تک پہنچنے کے لئے جن خطرات سے پالا پڑسکتا ہے اور جو چیزیں راہ کا روڑا بن سکتی ہیں انکی نشاندہی اور ان سے نبرد آزمائی کے طریقہ کی طرف رہنمائی کے لئے آپ نے اپنا قیمتی کتابچہ "راہ حق کے مہلک خطرے" تحریر فرمایا۔ غرضیکہ آپ کی جتنی تصانیف ہیں سبھی تحریک اور امت کی اصلاح وتربیت اور انھیں اپنے نصب العین کا شیدائی بنانے کیلئے مہمیز کرتی ہیں اور نہ جانے کتنے نفوس نے ان سے عرفان حاصل کیا ہے۔

جب تک آپ کی صحت نے ساتھ دیا برابر آپ جماعت کا شعبۂ تصنیف سنبھالے رہے چنانچہ ۱۹۶۰ء میں جب مرکز جماعت دہلی منتقل ہوا تو شعبۂ تصنیف وتالیف بدستور رام پور ہی میں کام کرتا رہا اور آپ وہیں مقیم رہے اور اس کے صدر کی حیثیت سے خدمت انجام دیتے رہے۔ پھر یہ شعبہ ۱۹۷۰ء میں علی گڑھ منتقل کیا گیا اور "ادارہ تصنیف جماعت اسلامی ہند" کے نام سے موسوم ہوا۔ اس وقت بھی آپ ہی اس کے صدر رہے۔ پھر ۱۹۸۱ء میں ادارہ تصنیف کا جماعت اسلامی سے دستوری تعلق ختم ہوگیا اور ایک آزاد رجسٹرڈ سوسائٹی کے تحت "ادارہ تحقیق وتصنیف اسلامی" کی صورت میں اس کی تشکیل نو ہوئی۔ اس وقت بھی مولانا اس کے صدر رہے یہاں تک کہ ۱۹۸۴ء میں علالت وضعف کے باعث اس سے سبکدوشی حاصل کرلی۔

آپ نے جماعت ہی کے فیصلے کے تحت مولانا مودودیؒ کی منظوری کے بعد شہرہ آفاق تفسیر "تفہیم القرآن" کے چھ جلدوں کی تلخیص ایک جلد میں کی تھی جس کا پہلا اڈیشن ۱۹۸۱ء میں مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی سے منظر عام پر آیا۔

غرضیکہ آپ کی ساری کوششوں کا محور تحریک اسلامی ہند رہی اور آپ نے اس کی خاطر اپنا سب کچھ تج دیا تھا۔

وقتاً فوقتاً آپ کو جماعت کے بعض فیصلوں سے اختلاف بھی رہا لیکن اس کے باوجود آپ نے جس جذبہ خیرخواہی اور فکرمندی کا ثبوت دیا اس کی مثالیں ملنی مشکل ہیں۔ وابستگان جماعت کو سنبھالنے اور انتشار کے سارے دروازوں کو بند کرنے کے سلسلے میں آپ کی کوششوں کو کبھی فراموش نہیں کیا جا سکتا۔

مختصراً یہ کہا جا سکتا ہے کہ آپ تحریک اسلامی کا **Think Tank** تھے اور آپ کے اٹھ جانے سے جو خلا پیدا ہوا ہے وہ پُر ہوتا نظر نہیں آتا چہ جائیکہ اللہ غیب سے کوئی انتظام فرمادے۔ اے کاش! ایسا ہو جاتا کہ نئے حالات میں ایسے صاحب الرائے رہنما کی اشد ضرورت ہے۔

۱- سوانح حضرت جی ثالث محمد انعام الحسن کاندھلویؒ
مع مقدمہ مولانا علی میاں ندویؒ
از محمد شاہد سہارنپوری

۲- دعوت کی بصیرت اور اس کا فہم وادراک یعنی ملفوظات مولانا محمد انعام الحسن کاندھلویؒ
از محمد شاہد سہارنپوری

ان کے علاوہ ہر قسم کی اردو، عربی، فارسی، ہندی، انگریزی میں دینی، درسی وغیر درسی کتب وشروحات مناسب قیمت پر دستیاب ہیں۔

☆ فلاحی بک ڈپو، تکیہ، اعظم گڑھ (یو، پی) ☆

فون: ۲۲۸۹۹ (دکان) ۲۳۹۰۸ (رہائش)

مولاناؒ اور جامعۃ الفلاح

عبدالبر اثری فلاحی

جامعۃ الفلاح، بلریا گنج، اعظم گڑھ (یو، پی)

مختصر مدت میں جو ترقی اور شہرت جامعۃ الفلاح کے حصے میں آئی ہے اس کی نظیر مدارس کی تاریخ میں نہیں ملتی اس کا سبب جہاں اللہ تعالیٰ کا خصوصی فضل اور بانیان کا اخلاص ہے وہیں جامعہ کی یہ خوش بختی بھی ہے کہ برابر اسے اعلیٰ و باکمال اور لائق وفائق ذمہ داران میسر آتے رہے جن میں نمایاں نام مولانا صدرالدین اصلاحیؒ کا ہے جامعہ کو جب اعلیٰ تعلیم کا مرکز بنانے کی کوششیں شروع ہوئیں اسی وقت سے مختلف شکلوں میں آپ کی خدمات حاصل کی جاتی رہیں ۱۷/جون ۱۹۷۲ء کو دستور کی تدوین کے لئے جب کمیٹی تشکیل دی گئی تو دوسرے افراد کے علاوہ آپ کا نام نامی بھی شامل کیا گیا بلکہ آپ اس کے رکن رکین تھے۔

۲۹/جولائی ۱۹۷۲ء کی میٹنگ میں جب شعبہ تخصص کے نصاب اور سندوں کی تیاری کا مسئلہ زیر غور آیا تو اس کے لئے آپ اور مولانا سید حامد علی کا نام تجویز کیا گیا تھا۔

۱۳/اپریل ۱۹۷۵ء کو مجلس انتظامیہ (موجودہ مجلس شوریٰ) کی میٹنگ میں آپ کو باضابطہ مجلس انتظامیہ کا رکن منتخب کیا گیا اور ۱۷/اپریل ۱۹۸۱ء کو آپ کو مجلس انتظامیہ کے دائمی ممبر کی حیثیت عطا کی گئی ۱۹۸۱ء ہی میں جب مولانا محمد یوسف صاحبؒ کے بعد مولانا ابواللیث صاحب اصلاحی ندویؒ دوبارہ امیر جماعت اسلامی ہند منتخب کئے گئے تو انہوں نے جامعۃ الفلاح کی نظامت سے استعفاء دے دیا اب سوال سامنے آیا کہ یہ بار گراں کس کے اوپر ڈالا جائے بڑا نازک وقت تھا بظاہر اس خلا کو پر کرنے والا کوئی نظر نہیں آرہا تھا مولانا عبدالحسیب صاحب اصلاحیؒ کا انتخاب عمل میں آیا لیکن انہوں نے معذرت کردی چنانچہ ۱۷/نومبر ۱۹۸۱ء کی مجلس انتظامیہ کی میٹنگ میں عارضی طور پر مولانا محمد عیسیٰ صاحب قاسمی ناظم بنادیے گئے اور مختلف شخصیات کی خدمات حاصل کرنے کی کوششیں شروع ہوئیں بالآخر بالخصوص انجمن طلبہ قدیم جامعۃ الفلاح کے ذمہ داران مولانا کو اس خدمت کے لئے تیار

کرنے میں کامیاب ہوگئے اور لوگوں کی امیدیں برآئیں اس آمادگی میں جہاں بھی خوشحال [illegible]
جامعہ کی دعاؤں اور کوششوں کا دخل تھا وہیں مولانا کا جامعہ سے تعلق خاطر بھی رنگ لایا [illegible]
مولانا اپنی مستقل علالت کی وجہ سے اس طرح کی ذمہ داریوں سے مستقل دور رہنا چاہتے
تھے یہی وجہ ہے کہ جماعت اسلامی ہند اور ادارہ تحقیق وتصنیف اسلامی کی ذمہ داریوں سے
آپ نے سبکدوشی حاصل کرلی تھی اور گھر پر یکسو رہنا چاہتے تھے مولانا کی اس آمادگی سے
جامعہ کی کھوئی بہار لوٹ آئی اور ۱۸ اپریل ۱۹۸۲ء کی مجلس انتظامیہ کی میٹنگ میں اتفاق رائے
سے آپ کو ناظم منتخب کیا گیا اور طے پایا کہ یکم جون ۱۹۸۲ء تک آپ نظامت کا چارج لے لیں
گے اور مولانا کی ہی سفارش پر ۶ رجون ۱۹۸۲ء کو منشی محمد انور صاحب کو بالاتفاق آپ کا نائب
منتخب کیا گیا تاکہ روزمرہ معاملات میں آپ کو زیادہ پریشانیوں کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

۲۳ راپریل ۱۹۸۶ء کو علالت اور ضعف کی وجہ سے آپ نے استعفاء پیش کیا لیکن
انتظامیہ نے مصالح جامعہ کے پیش نظر اسے نامنظور کردیا آپ کو آپ کے عہدہ پر برقرار رکھا
اور مزید معاونین متعین فرمانے کا اختیار عطا کیا لیکن چونکہ گرتی ہوئی صحت کی وجہ سے مختلف
مسائل کے حل کے لئے بار بار آپ کا جامعہ تشریف لانا ناممکن ہوتا جارہا تھا اس لئے
۲۰ راگست ۱۹۸۷ء کو اپنی ذمہ داری سے پھر تحریری طور پر معذرت کی لیکن انتظامیہ نے اس
موقع سے بھی اسے نامنظور کردیا اور درخواست کی کہ اپنی صوابدید اور نائب ناظم کے مشورے
سے کسی ایسے شخص کا انتخاب کرلیں جو ہر وقت انہیں جامعہ کے ضروری واہم معاملات ومسائل
سے باخبر کرسکے اور ان کے سلسلے میں بروقت ہدایات بھی حاصل کرسکے اور آپ صحت کا لحاظ
رکھتے ہوئے حسب سہولت ہی تشریف لائیں اور اس کا بھی معقول نظم رہے ان ساری تدابیر
اور کوششوں کے باوجود مولانا کو برابر احساس ستاتا رہتا کہ ذمہ داری کا حق ادا نہیں ہو پارہا ہے
اور مجھے سبکدوش ہوجانا چاہئے چنانچہ ۹ ردسمبر ۱۹۸۸ء کو آپ نے پھر استعفاء پیش کردیا اور
اسے قبول کرنے پر اصرار کرتے رہے بالآخر چاروناچار بادل نخواستہ کثرت رائے سے یہ طے
ہو پایا کہ انتظامیہ کے آئندہ اجلاس میں استعفاء قبول کرلیا جائے گا لیکن ۳۱ رمارچ ۱۹۸۹ء
کے اجلاس میں حالات وضروریات کو دیکھتے ہوئے آئندہ کے لئے آپ کے نظامت کی

[illegible] کی اور مولانا کی سفارش پر ڈاکٹر خلیل صاحب نائب ناظم منتخب کئے گئے۔
[illegible] ۱۹۹۰ء کو آپ کی پیرانہ سالی، مزمن علالت اور دیگر مسائل کو دیکھتے ہوئے
[illegible] انتظامیہ نے مجبوراً آپ کا استعفاء منظور کرلیا اور ڈاکٹر خلیل احمد صاحب ناظم منتخب کئے
[illegible] طرح تقریباً ایک عشرے کو محیط آپ کا دور نظامت اختتام کو پہونچا۔ جامعہ کی تاریخ
[illegible] سنہرے دور میں شمار کیا جاتا ہے جب کہ گوناگوں پہلوؤں سے جامعہ نے ترقی کے
[illegible] طے کئے۔ طلبہ کا رجوع کافی رہا ذی استعداد اساتذہ کے فراہمی کی خصوصی کوششیں کی
[illegible] البنات کے لئے پرانی جگہ کے ناکافی ہوجانے پر وسیع وعریض اراضی کا حصول اور
[illegible] تعمیر کا آغاز ہوا۔ شعبہ تخصص شروع کیا گیا نئی درسگاہ کی تعمیر عمل میں آئی بیرون ملک
[illegible] متعارف کرانے پر توجہ دی گئی دستور جامعہ اور نصاب جامعہ پر نظرثانی کا کام آگے بڑھا
[illegible] تبدیلیاں سامنے آئیں ادارہ علمیہ بھی متحرک ہوا مولانا جامعۃ الفلاح کو عصر حاضر
[illegible] چیلنجوں کا "پرعزم جواب" سمجھتے تھے جس کا اندازہ مولانا کے مندرجہ ذیل تاثر سے بخوبی
[illegible] جاسکتا ہے "آج کے طوفانی دور میں جب کہ ہر طرف مادیت کی یلغار ہے اور اخلاقی
قدریں روبہ زوال ہیں اسلام پر ہر طرف سے حملے ہورہے ہیں اور مدارس اسلامیہ کو مختلف قسم
کے چیلنجوں کا سامنا ہے ایسے پرآشوب دور میں "جامعۃ الفلاح" ان چیلنجوں کا ایک "پرعزم
جواب" ہے۔"

ایک موقع سے جب آپ سے سوال کیا گیا کہ جامعۃ الفلاح کا نصاب تعلیم دینی
مدارس کے موجودہ نصاب تعلیم کی کمیوں کو کس قدر دور کرتا ہے؟ اور اپنے طے شدہ مقاصد
میں کہاں تک کامیاب ہے؟ تو آپ نے فرمایا تھا "جامعۃ الفلاح کے نصاب تعلیم کے
بارے میں جو بات اطمینان اور اعتماد کے ساتھ کہی جاسکتی ہے وہ یہ کہ اس کا رخ صحیح ہے اور
اس کے بیان کردہ مقاصد بھی ایسے ہیں جن کی صحت اور محمودیت پر حرف نہیں رکھا جاسکتا
لیکن ایک سے زائد وجوہ کی بنا پر نصاب تعلیم ابھی تکمیل طلب ہے جس کے لئے تعلیمی کمیٹی
برابر غور کررہی ہے جہاں تک مقاصد میں کامیابی کا سوال ہے وہ اگرچہ تشویش کا موجب
نہیں ہے مگر فکر مندی کا موجب ضرور ہے۔"

نصابِ تعلیم پر غور و فکر اور کام کے حوالے سے مولانا کیا سوچتے تھے اور کیا چاہتے تھے آپ کے اس اظہارِ خیال سے واضح ہے: "پہلی ضرورت اس بات کی ہے کہ صاحب نظر علمائے دین اور مفکرین ملت کا ایک منتخب گروہ سر جوڑ کر بیٹھے اور سارے بنیادی پہلوؤں کو سامنے رکھ کر نصاب کا تعین فرمائے یہ کام دو سطحوں پر ہونا چاہئے ایک تو مستقل ضرورت کے لئے جامع اور کامل و معیاری نصاب کی تشکیل دوسرے فوری و ابتدائی قدم کے طور پر وقت کے مروجہ نصاب کو تھوڑی بہت ترمیم و اصلاح کے ذریعہ نسبتاً زیادہ مفید بنالینے کی تدبیر پہلی سطح کا نصاب تشکیل دینے کے لئے مولانا مودودیؒ کا پیش کیا ہوا نصابِ تعلیم کا خاکہ ایک اہم رہنمائی کے لئے موجود ہے دوسری سطح پر ترمیم و اصلاح کا کام فوراً ہو جانا چاہئے میرے خیال میں سب سے پہلی ضرورت اس بات کی ہے کہ فضیلت کے نصاب کو اس طرح ترتیب دیا جائے کہ ان درجات کے تمام ہی اوقات درس یا ان کا بیشتر حصہ کسی ایک ہی فن کے درس و مطالعہ کے لئے یکسو اور مخصوص رہے تاکہ فارغین کم از کم ایک فن میں قابل اعتماد صلاحیت کے حامل ہوں[۳]"۔

تعلیم قرآن جامعہ کا طرہ امتیاز ہے جس پر خصوصی توجہ مرکوز کی جاتی ہے لیکن اس نے اپنے نصاب میں متعین تفاسیر کے بجائے مختلف علوم آلیہ کے ذریعہ براہ راست قرآن سمجھنے سمجھانے اور تفاسیر سے مدد لینے کا طریقہ اپنایا ہے جس سے تفاسیر کے بجائے قرآن اصل مرکز و محور بن جاتا ہے اس پر مختلف حلقوں سے انگشت نمائی کی جاتی ہے چنانچہ ایک موقع سے آپ نے دونوں کے فرق کو واضح کرتے ہوئے اختیار کردہ طریقے کی افادیت یوں سمجھائی کہ سارے اشکال ختم ہوگئے "کسی فن کی کتاب کو پڑھایا جانا فی الواقع صرف اسی کتاب کا پڑھنا پڑھانا ہے نہ کہ صحیح معنوں میں اس فن کا پڑھنا پڑھانا۔ جلالین اور بیضاوی کی اپنی جگہ جو بھی اہمیت ہو ان کی تدریس کا حاصل آیات قرآنی کی ان تاویلات اور تشریحات کی واقفیت تک محدود رہتا ہے جو ان تفسیروں میں اختیار کی گئی ہے حالانکہ تفسیر کی کوئی بھی کتاب ایسی نہیں ہو سکتی جس میں صحیح کے ساتھ کچھ نہ کچھ سقیم تاویلیں اور مرجوح رائیں نہ پائی جاتی ہوں اس لئے ضروری ہے کہ تفسیر کی کسی کتاب کو مرکز و محور بنانے کے

بجائے قرآن کو قرآن کی حیثیت سے پڑھا پڑھایا جائے یعنی یہ کہ پڑھانے والے اور ممکن حد تک پڑھنے والے بھی پہلے اہم تفاسیر کا مطالعہ کریں پھر تاویل و تفسیر کے اصولوں کو مدنظر رکھ کر قرآن کے مخصوص اسالیب نیز نظم کلام کے تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے دلائل کی روشنی میں آیات کا صحیح ترین مفہوم متعین کریں[۴]"۔

آپ جامعہ کے طلبہ کو کیسا دیکھنا چاہتے تھے اور ان کو کن اوصاف کا حامل بنانا پسند کرتے تھے اس کے رہنما خطوط اس پیغام میں بآسانی محسوس کئے جاسکتے ہیں جو آپ نے جمعیۃ الطلبہ (طلبہ یونین) جامعۃ الفلاح کے سالانہ میگزین "الفلاح" ۱۹۸۸ء کے لئے ۱۱ر جمادی الآخر ۱۴۰۸ھ کو تحریر فرمایا تھا۔ "مجھ جیسا ناچیز کیا پیغام دے؟ آپ لوگ تو بحمد اللہ خود ہی ایسے پیغامات شب و روز پڑھا اور سنا کرتے ہیں جن کے ہوتے ہوئے کسی اور کے پیغام کی ضرورت ہی نہیں رہ جاتی اس لئے انسب یہی ہے کہ ان ہی معیاری اور حکیمانہ ارشادات میں سے چند کی یاد دہانی کردوں یہ انشاء اللہ آپ کے لئے ہر گونہ کافی ہوگا۔

(۱) اللہ کی خشیت ان ہی لوگوں کے اندر ہوتی ہے جو علم والے ہوتے ہیں (قرآن کریم)

(۲) قرآن (قیامت کے دن) یا تو تمہارے حق میں حجت بنے گا یا تمہارے خلاف (ارشاد نبوی ﷺ)

(۳) خدایا! میں تیری پناہ مانگتا ہوں ایسے قلب سے جو تیری خشیت سے بے بہرہ ہو ایسی دعا سے جو مستجاب نہ ہو سکے۔ ایسے نفس سے جو سیر ہونا نہ جانے اور ایسے علم سے جو نفع رساں نہ بن سکے۔ (دعائے رسول ﷺ)

(۴) اہل علم (فی الواقع) وہی لوگ ہوتے ہیں جو اپنے علم کے مطابق عمل بھی کرتے ہیں یہ دنیا کی حرص ہوتی ہے جو علماء کے دلوں سے علم کو نکال باہر کرتی ہے (حضرت کعبؓ)

(۵) علم دو طرح کا ہوتا ہے ایک علم تو وہ جو انسان کے دل میں پایا جاتا ہے یہی علم نافع ہوتا ہے دوسرا علم وہ علم جو آدمی کے زبان پر رہتا ہے ایسا علم ابن آدم کے خلاف اللہ تعالیٰ کی حجت بنے گا۔ (حضرت حسنؒ)

(۶) قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی جناب میں بدترین حیثیت کے مستحق قرار پانے

والوں میں وہ عالم بھی ہوگا جو اپنی دنیوی زندگی میں اپنے علم کے مطابق عمل کر کے اس سے نفع نہیں اٹھاتا۔" (حضرت ابوالدرداءؓ) صدرالدین اصلاحیؒ

آپ بلاتکلف طلبہ سے ملتے ان کے مسائل سنتے انہیں حل کرنے کی کوشش کرتے حسب موقع ان کی حوصلہ افزائی فرماتے انہیں مفید مشورے دیتے جس کے اندر بھی صلاحیت دیکھتے اسے اسی طرح کے میدان میں آگے بڑھنے کی تلقین فرماتے چنانچہ طلبہ اور آپ کے درمیان کبھی کوئی دوری نہیں دیکھی گئی آپ عموماً کسی کو انٹرویو دینا پسند نہیں کرتے تھے لیکن طلبہ نے اپنے سالانہ میگزین کیلئے اصرار کیا تو آپ نے بقلم خود سوالات کے جوابات تحریر فرما کر مرحمت فرمائے جو ۱۹۸۸ء کے سالانہ میگزین میں ملاحظہ کیا جا سکتا ہے چنانچہ اس کے ذریعہ مختلف مسائل میں آپ کے قیمتی خیالات ہمیشہ کیلئے صفحہ قرطاس پر محفوظ ہو گئے اسی طرح ان کے میگزین کی اشاعت میں مالی دشواریاں سامنے آئیں تو جامعہ کے فنڈ سے تعاون فرمایا جمعیۃ الطلبہ کے جملہ اخراجات کے لئے جو رقم مخصوص ہوتی اس سے زائد ذمہ داران خرچ کرنے سے کتراتے تھے لیکن جب آپ کے سامنے انعامی مقابلوں کے انعامات کے لئے رقم کی درخواست کی گئی تو آپ نے مزید جامعہ کے فنڈ سے یہ فرماتے ہوئے عطا کیا کہ

"اصلاً تو طلبہ کی تعلیمی صلاحیتوں کو نکھارنے پر ہی ان رقوم کو خرچ ہونا چاہئے۔"

جامعہ کے فارغین کی انجمن "انجمن طلبہ قدیم" سے بھی آپ کو خصوصی لگاؤ تھا اس کی سرگرمیوں سے دلچسپی رکھتے برابر اس کے ذمہ داران سے رابطہ رہتا اور جامعہ و فارغین کے مختلف مسائل پر ان سے تبادلہ خیال فرماتے انجمن طلبہ قدیم کے ترجمان ماہنامہ مجلہ حیات نو کا انہیں شدت سے انتظار رہتا کسی وجہ سے تاخیر ہونے پر یا نہ ملنے پر شکوہ فرماتے تاحیات آپ نے انجمن کے تقریباً تمام ہی اجلاس میں شرکت فرما کر رونق بخشی اور کم وبیش تقریباً ہر موقع سے آپ نے فارغین جامعہ کو اپنے قیمتی پیغامات سے نوازا ۱۹۸۳ء میں دوسرے کنونشن کے موقع سے آپ نے جو پیغام دیا اس سے آپ کی محبت فکرمندی اور فارغین کے کردار کے تئیں تمناؤں کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

"عزیز فارغین جامعہ اس موقع پر جب کہ آپ اپنا دوسالہ کنونشن منعقد کر رہے ہیں

آپ کو پا کر کے اور آپ کی ایک بڑی تعداد کو مجتمع دیکھ کر دلی مسرت ہو رہی ہے یہ مسرت [illegible] امری ہے کیوں کہ آپ لوگ اب تک کی جامعہ کی مساعی کا حاصل ہیں کون سا کسان ہوگا اس کا چہرہ اپنی فصل کو تیار دیکھ کر دمک نہ اٹھتا ہو مجھے امید ہے کہ آپ کا احساس فرض اور جامعہ کی اس آرزو کو کبھی ٹھیس نہ پہونچائے گا کہ آپ دین کے بہتر سے بہتر ترجمان اور علم بردار بن کر اس اندھیری دنیا کو روشن کریں گے۔

یہ حقیقت آپ لوگوں پر روشن ہی ہوگی لیکن میں مزید یاددہانی کرا دینا مناسب سمجھتا ہوں کہ آپ کو جو سند فراغت ملی ہے وہ حصول علم سے فارغ ہو جانے کی سند نہیں ہے بلکہ فی الواقع صرف اس بات کی سند ہے کہ آپ علم کے دروازے پر آ کھڑے ہوئے ہیں اور اب اس دروازے کے اندر داخل ہو جانا اور پھر مسلسل آگے بڑھتے جانا اور بڑھ کر کسی منزل خاص تک پہونچ سکنا تمام تر آپ کی اپنی کوششوں اور جگر سوزیوں پر موقوف رہے گا "لیس للانسان الا ماسعی" ایک ٹھوس اور دائمی حقیقت ہے تجربہ اور مشاہدہ اس کے گواہ ہیں ایسا قانون قدرت ہے جو آج تک کبھی کسی کے لئے بھی نرم نہیں کیا گیا امید ہے کہ آپ اپنی آئندہ زندگی میں اس حقیقت کو اچھی طرح یاد رکھیں گے کہ اسی میں آپ کی بھی کامیابی اور خوش انجامی کا راز پنہاں ہے جامعہ کی کامیابی کا بھی اور سب سے بڑھ کر دین وملت کی بہبود کا بھی، مجھے یہ اندازہ کر کے خاصا اطمینان ہو رہا ہے کہ افق پر کرنیں ابھرتی جا رہی ہیں خدا کرے کہ یہ کرنیں بلند سے بلند تر اور روشن سے روشن تر ہوتی جائیں۔

عزیزو! آپ اس امر سے بھی ناواقف نہ ہوں گے کہ آپ زندگی کے وسیع تر میدان میں قدم رکھ چکے ہیں یا رکھنے والے ہیں اس میں آپ کو بڑے بڑے نشیب وفراز سے دوچار ہوتے رہنا پڑے گا طرح طرح کے کانٹے آپ کے دامنوں سے الجھیں گے قدم قدم پر چٹانیں روک بننا چاہیں گی توقع ہے کہ یہ چیزیں آپ کے لئے واقعی روک بن جانے کے بجائے مہمیز کا کام دیں گے ہمت کی کمی اور حوصلے کی پستی کو آپ کبھی اپنے اوپر قابو نہ پانے دیں گے کیوں کہ اس خامی کے ساتھ کامیابی کبھی جمع نہیں ہوا کرتی ٹھیک اسی طرح عزم وہمت وہ طاقت ہے جس سے نامرادی کبھی آنکھیں نہیں ملا سکتی اس جامعہ کو یہ سعادت

حاصل ہے کہ اس نے شاہین بچوں کو کبھی خاک بازی کا سبق نہیں دیا ہے اسی لئے اسے یہ امید رکھنے کا حق حاصل ہے کہ آپ اس کی شان پر حرف نہ آنے دیں گے۔

میں دعا کرتا ہوں کہ خدائے ذوالجلال آپ کا حامی و ناصر ہو، علم آپ کے آگے آگے نور بن کر چلتا رہے اور عمل آپ کو بلندیوں تک لے جائے۔ آمین! و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

صدرالدین اصلاحی
۲۳/نومبر ۱۹۸۲ء

آپ انجمن کی فعالیت کے معترف تھے اور اسے ایک "متحرک اور باعزم تنظیم" سمجھتے تھے اس کے باوجود مزید سے مزید کے لئے تحریض فرماتے اور خود احتسابی کی طرف متوجہ کرتے رہتے تھے چنانچہ ۱۹۸۸ء میں اجلاس عام کے موقع سے آپ نے اپنے پیغام میں فرمایا۔

"عزیز فارغین جامعہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کی انجمن، انجمن طلبہ قدیم، جو بحمد اللہ ایک متحرک اور باعزم تنظیم ہے آج اپنی دوسالہ کانفرنس منعقد کررہی ہے اس کانفرنس کے ذریعہ جہاں لوگوں کو بالخصوص اس درسگاہ سے تعلق خاطر رکھنے والوں کو انجمن کے مقاصد سے اس کی کارکردگی سے، اس کے مستقبل کے عزائم سے واقف ہونے کا موقع ملے گا وہیں آپ لوگوں کو بھی متعدد اکابر دین وملت کے بیش قیمت خیالات سے مستفید ہونے کی سعادت حاصل ہوگی۔

اس کانفرنس کا انعقاد آپ کے لئے جس طرح مسرت کا موجب ہے اسی طرح بلکہ اس سے بڑھ کر خود احتسابی کا موقع بھی فراہم کررہا ہے آپ نے جس عظیم مقصد کی خاطر اپنی زندگی کے سیکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں شب وروز یہاں صرف کئے ہیں اور پھر اس کے تقاضوں کی منظم تکمیل کے لئے اپنی انجمن کی تشکیل کررکھی ہے دیکھیں غور سے دیکھیں کہ اس کی خدمت کا حق کس حد تک ادا ہورہا ہے جائزہ لیں کہ آپ کے ذہنوں کے اندر اس مقصد کی محبت کس گہرائی تک اتری ہوئی ہے اور آپ کی عملی سرگرمیوں سے اس کے ساتھ کس تعلق خاطر کا اظہار ہورہا ہے؟ اس گہرے جائزے کے نتیجے میں جو خلا بھی نظر آئے اسے پر کرنے

کی ٹھوس تدبیریں سوچیں، اسی شکل میں یہ کانفرنس ایک رسمی یا نمائشی کانفرنس کے پست مقام سے اوپر اٹھ کر ایک مفید، بامقصد اور نتیجہ خیز کانفرنس ثابت ہوسکے گی۔

یہ بڑی خوشی کی بات ہے کہ اس وقت دینی درسگاہوں کا جال بچھتا جارہا ہے اور طالبین علم دین کی تعداد برابر بڑھتی جارہی ہے مگر اس احساس مسرت پر اس وقت اوس پڑجاتی ہے جب نظر اس طرف جاتی ہے کہ ان درسگاہوں سے اتنے بالغ نظر، وسیع العلم اور خداشناس علماء اٹھتے دکھائی نہیں دے رہے ہیں جتنے ان درسگاہوں اور انکے کثیر التعداد فیض یافتگان کے تناسب سے اٹھنے چاہیں آپکی پوری کوشش ہونی چاہئے کہ آپ پر یہ صورت حال صادق نہ آنے پائے میری اسی بات کو آپ میری فطری آرزو بھی سمجھیں اور اپنے لئے میرا ایک جامع پیام بھی۔

دعا ہے کہ آپ کو اس سلسلے میں اللہ رب العالمین کی مدد، اس کی توفیق اور اس کی رہنمائی حاصل رہے اور یہ کانفرنس آپ کے حق میں، جامعۃ الفلاح کے حق میں اور دین وملت کے حق میں مفید بابرکت ثابت ہو۔

والسلام صدرالدین اصلاحی
۱۲/فروری ۱۹۸۸ء

مولانا کی یہ خواہش تھی کہ فارغین جامعہ معرکہ خیروشر میں ہراول دستہ بنیں اور دعوت دین نصرت دین اور اظہار دین کا میدان سرکریں جیسا کہ انہوں نے ۱۹۹۲ء میں اجلاس عام کے موقع سے اپنے پیغام میں کہا تھا۔

"یہ فتنوں بھرا دور مخلص خدام دین کی ذمہ داریوں کو کہیں سے کہیں پہونچا چکا ہے یہ فتنے روز بروز شدید تر اور وسیع تر ہوتے جارہے ہیں جب کہ وہ لوگ احساس فرض کے اعتبار سے کم سے کم تر ہوتے جارہے ہیں جن کو معرکہ خیروشر میں ہراول دستہ بننا چاہئے کہا جاتا ہے کہ ہمارے دینی ادارے اسلام کا قلعہ ہیں بلاشبہ ان اداروں کی اصل حیثیت یہی ہے کاش ان کی یہ اصل حیثیت آج بھی برقرار ہوتی لیکن آخر اس حقیقت سے آنکھیں کیسے موندلی جائیں کہ ان میں سے کتنے ہی قلعوں میں دراڑیں پڑگئی ہیں پھر ان کے اندر اسلام کا علم اٹھا کر آگے بڑھنے والے وہ جنگ آزما نہ تو تیار کئے جارہے ہیں نہ انہیں ضروری آلات حرب سے مسلح کیا جارہا ہے

جو دعوت دین، نصرت دین اور اظہار دین کا میدان سر کرنے کیلئے درکار ہیں کتنی مسرت کی بات ہوگی کہ جامعۃ الفلاح کے فارغین پر یہ تبصرہ صادق نہ آئے نہ آج، نہ کل، اور نہ کبھی۔"[8]

اے کاش فارغین جامعہ مولانا کے خوابوں کی تعبیر بن سکیں کہ ان کی روح کو بھی سکون میسر آئے ملت اور اسلام کا مستقبل بھی سنور جائے۔ جامعہ کا نام بھی روشن ہو اور آنے والی نسلوں کے لئے اسوہ حسنہ کا سامان بہم پہونچے۔ اللھم وفق لما تحب و ترضیٰ

اخیر میں یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ ایسا نہیں کہ آپ نے ۱۹۹۰ء میں نظامت سے سبکدوشی حاصل کی تو جامعہ سے بالکل بے تعلق ہو گئے بلکہ تاحیات جامعہ کی مجلس انتظامیہ اور مجلس تعلیمی کے ممبر رہے اور موقع بموقع تشریف لاتے رہتے تھے اسی طرح ذمہ داران جامعہ برابر آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر مختلف معاملات میں مشورے حاصل کرتے رہتے تھے لیکن ظاہر ہے کہ وہ بات نہیں رہ گئی تھی جو آپ کے ذمہ دارانہ حیثیت میں سامنے آتی تھی آپ جب جامعہ میں تشریف رکھتے تھے تو اسکا عجب ہی رنگ ہوتا تھا آپ کی بلند قامت علمی شخصیت کی وجہ سے جامعہ کو کافی نیک نامی حاصل ہوئی جامعہ کی نظامت آپ کیلئے باعث اعزاز نہیں تھی بلکہ آپ کا نام جامعہ کے ساتھ جڑنا جامعہ کیلئے ایک اعزاز اور فخر کی بات تھی چنانچہ آپ کی بصیرت، للّٰہیت، زہد اور بالغ نظری سے جامعہ کو جو فائدہ پہونچا جامعہ اسے فراموش نہیں کر سکتی۔

حواشی

(۱) روداد ص ا

(۲) عبدالبر اثری، مولانا صدرالدین اصلاحی سے ایک ملاقات، الفلاح (سالانہ میگزین) جمعیۃ الطلبہ جامعۃ الفلاح (۱۹۸۲ء) ص ۳۱

(۳) ایضاً (۴) حوالا بالا ص ۳۱_۳۲

(۵) پیغامات، الفلاح (سالانہ میگزین) جمعیۃ الطلبہ جامعۃ الفلاح (۱۹۸۲ء) ص ۱۲_۱۵

(۶) صدرالدین اصلاحی، عزیزان جامعہ کے نام حیات نو بلریاگنج ج ۴ ش ۱۰ ص ۲_۳ ۱۹۸۳ء

(۷) صدرالدین اصلاحی، پیغامات مجلہ حیات نو بلریاگنج ج ۳ ش ۳_۴ (۱۹۸۸ء) ص ۲۶_۲۷

(۸) صدرالدین اصلاحیؒ پیغام مجلہ حیات نو بلریاگنج (پانچواں اجلاس عام نمبر) ج ۷_۸ ش ۱۲_۱_۲ (۱۹۹۲ء_۱۹۹۳ء) ص ۱۵

ایمرجنسی دور میں
مولانا صدرالدین صاحب اصلاحیؒ سنٹرل جیل بریلی میں

حکیم محمد اشرف علی قاسمی

امیر مقامی جماعت اسلامی، سیوہارہ، ضلع بجنور

محترم مولانا صدرالدین اصلاحیؒ اور محترم مولانا ابواللیث اصلاحیؒ ندوی ایمرجنسی دور میں اسیر ہو کر مختلف جیلوں سے منتقل ہو کر مارچ ۱۹۷۶ء میں بریلی جیل میں تشریف لائے اس وقت وہاں ہم جماعت اسلامی ہند کے غالباً ۱۵ ارکان میسا ایکٹ کے تحت بند تھے ہم بجنوریوں کی تعداد ۶ افراد پر مشتمل تھی محترم عبدالجبار کریمی صاحب کے ساتھ بلند شہر کے رفقاء تھے۔

بعد میں برادرم عطاء الرحمٰن وجدی سہارنپور سے آگئے لکھنؤ سے جناب رحمت علی صاحب وارد ہوئے۔

ہم بجنوری رفقاء ۶ / دسمبر ۱۹۷۵ء کے آئے ہوئے تھے اور سرکل ۴ بیرک ۴ میں مقیم تھے ہم جن سنگھ اور آر، ایس، ایس کے لوگوں کے ساتھ رہ رہے تھے۔

عبدالجبار کریمی صاحب جب آئے تو ان کو سرکل ۳ بیرک ۳ میں ٹھہرایا گیا۔ جب مارچ ۱۹۷۶ء میں مولانا موصوف اور مولانا ابواللیث صاحبان آئے تو ان کو جیلر عبدالباری صاحب نے سرکل ۳ بیرک ۳ میں ٹھہرایا جب ہمیں اپنے زعماء کی آمد کا علم ہوا تو ہمیں بڑی مسرت و خوشی ہوئی اگلے دن یہ دونوں حضرات رفقاء سے ملاقات کیلئے بیرک ۳ سرکل نمبر ۴ تشریف لائے جو زیادہ دور تو نہیں تھی مگر اس وقت پہرہ سخت رہتا تھا پیشگی اجازت کے بغیر آمد و رفت نہیں تھی مگر بعد میں یہ حالت نہیں رہی آمد و رفت اور ملاقات پر کوئی روک ٹوک نہیں رہی دونوں محترم مہمانان جب مقررہ وقت پر ہمارے بیرک میں تشریف لائے تو کچھ دیر پہلے مشتاق احمد سالک دھام پوری نے جوش میں آ کر کھرپا سے بیرک کی دیواروں پر اردو اور ہندی میں ایک خدا ایک انسان ایک نظام جیسے جملے لکھ دئیے اور جہاں ہم نماز پڑھتے تھے وہاں دیوار پر "مسجد" لکھ دیا یہ سب موصوف نے جوشیلے انداز میں کیا کیونکہ وہ ہمارے درمیان ایک

نوجوان رکن تھے۔ جب یہ حضرات بیرک میں تشریف لائے تو بیرک کو دیکھا اور نصیحت کے انداز میں فرمایا "جوش میں آ کر کوئی کام ایسا نہ کیا جائے جس پر غیر مسلم ساتھیوں کو اعتراض ہو سالک صاحب نے بھی بعد میں اس کو محسوس کیا۔ مولانا مرحوم کے جانے کے بعد اس مخصوص جگہ سے جہاں ہم لوگ نماز ادا کرتے تھے لفظ "مسجد" ہٹا دیا اس روز مولانا صاحبان کا قیام ہمارے پاس آدھا گھنٹہ رہا۔

باہمی تعارف ہوا اور پھر گرفتاری کی وجوہات وغیرہ معلوم فرماتے رہے۔ سب نے اپنی اپنی چارج شیٹ مختصراً عرض کیں یہ مجلس بڑی دلچسپ رہی خود مولانا صاحبان نے بھی اپنی چارج شیٹ کی بعض خاص باتیں بتلائیں یاد آتا ہے کہ مولانا صدر الدین اصلاحی صاحب نے سنایا تھا کہ مجھے گاؤں میں تلوار ہاتھ میں لئے نعرہ بازی کرتے دکھایا۔ اسی طرح مولانا ابواللیث صاحب نے بھی اپنے اوپر یہی الزام بیان فرمایا تھا جبکہ ہمارے ان زعماء کرام کا یہ مزاج ہی نہ تھا۔ اس کے بعد چائے وغیرہ کا دور چلا۔ مہمانان سرکل نمبر ۳ کو رخصت کیا اس موقع پر ہمارے غیر مسلم بھائیوں نے بھی مولانا صاحبان سے معانقہ کیا اور ان کو خوش آمدید کہا۔

اور پھر گاہے گاہے ملاقات کا سلسلہ جاری رہا۔ غالباً دو ہفتے کے بعد ہم لوگ بھی منتقل ہو کر سرکل نمبر ۳ میں مولانا مرحوم کی خدمت میں آ گئے۔ اب ایک اجتماعی کیفیت پیدا ہو گئی بجنوری، اعظمی، بلند شہری رفقاء سب ایک جگہ ہو گئے بعد میں برادرم عطاء الرحمٰن وجدی سہارنپوری بھی آ گئے۔ محترم مولانا صدر الدین صاحبؒ درس قرآن دیا کرتے تھے اور اس کے بعد مولانا ابواللیث صاحبؒ درس حدیث دیا کرتے تھے۔ بڑی مبارک ساعتیں تھیں جو ان مولانا صاحبان کی خدمت میں گذریں آج جب میں ان ساعتوں کو یاد کرتا ہوں تو دل بھر آتا ہے اور آنکھیں اشکبار ہو جاتی ہیں۔ یہ بھولی بسری یادیں دل و دماغ کے نہاں خانہ میں محفوظ تھیں جو قارئین کی نذر کر رہا ہوں۔

ایک دن مولانا مرحوم کی طبیعت زیادہ ناساز تھی تو مجھ سے فرمایا۔ حکیم صاحب کل درس قرآن آپ کو دینا ہے یقین جانیئے یہ سن کر میری ہوا خراب ہو گئی میں نے بہت عذر کیا کہ مولانا آپ کے سامنے لب کشائی کی ہمت نہیں ہو گی خدارا کسی اور رفیق کے سپرد یہ کام کر دیجئے مگر

مولانا مرحوم نہ مانے مجھے اپنی بے بضاعتی پر افسوس ہوتا رہا۔ اگلے دن ٹھیک دس ۱۰ بجے دونوں مولانا صاحبانؒ اور جملہ رفقاء کرام کے درمیان میں نے اپنا معروضہ قرآن مجید کھولا اور اپنے نزدیک آسان سورہ والضحیٰ کا درس دیا اللہ کا شکر ہے کہ مجھے کہیں ارتجاج نہیں ہوا اور کس طرح درس کو نباہ کر لے گیا ان دونوں حضرات نے بھی کوئی تبصرہ نہیں فرمایا۔ غالباً یہ سلسلہ دو چار روز چلا اور جب مولانا مرحوم کی طبیعت بحال ہو گئی تو موصوف نے اپنا کام سنبھال لیا۔

کسی درس میں ہماری تربیت کیلئے فرمایا۔ یاد رہے درس دیتے وقت چند امور کا اہتمام ضروری ہے ۱ بغیر پیشگی تیاری کے درس نہ دیا جائے۔ دوسرے درس میں آیات کی تلاوت۔ تیسرے لفظی ترجمہ اور چوتھے سلیس اور رواں ترجمہ یا ترجمانی پانچویں ربط آیات اور پھر مختصر وہ مضمون بیان کیا جائے جو ان آیات سے اخذ ہوتا ہے فرمایا درس میں ادھر ادھر کی باتیں ہرگز نہ ہونی چاہئیں تو درس کامیاب ہوگا۔

یاد آتا ہے کہ میں نے بیرک نمبر ۳ میں نماز پڑھانے کا فریضہ بھی کچھ دنوں انجام دیا ہے اور محترم مولانا صاحبانؒ نے کافی عرصہ تک میری اقتداء نمازوں میں کی ہے۔

ایں سعادت بزور بازو نیست تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

مولانا مرحومؒ نماز اور اس کے اذکار کے سلسلہ میں مجھے نصیحت فرمایا کرتے تھے جو مجھے ابتک یاد ہیں ایک روز ساڑھے تین بجے سورج کو گرہن لگا۔ جیل کا بڑا گھنٹہ بجا معلوم کرنے پر پتہ چلا کہ سورج کو گہن لگ رہا ہے۔ تو ہم لوگوں نے صلوۃ کسوف بیرک کے باہر دیوار کے سائے میں ادا کی میں نے نماز تو دو رکعت لمبی قرأت سے پڑھائی مگر سہوا بھول گیا کہ رکوع وسجود بھی طویل ہونے چاہئیں۔ دعا وغیرہ سے فراغت کے بعد مولانا صدر الدین صاحبؒ نے فرمایا کہ رکوع وسجود اس نماز میں معمول سے زیادہ طویل ہونے چاہئیں۔ اس دن سے میں اس کا بے حد خیال رکھتا ہوں اور جب کبھی سورج گرہن ہوتا ہے تو مولانا مرحوم کی نصیحت نماز پڑھنے سے پہلے ہی یاد آ جاتی ہے۔

مولانا مرحوم کبھی نیم برہنہ ہو کر غسل نہیں کرتے تھے حتیٰ کہ تہ بند باندھ کر بھی نہیں۔ باقی سب رفقاء تہ بند یا نچا سائز نیکر پہن کر غسل کر لیا کرتے تھے۔ برادرم عقیل الدین مجیب

آبادی مرحوم نے نہرو بیرک ہال کے غسل خانہ کو مولانا موصوف کے لئے جیلر صاحب سے اجازت لے کر مختص کرالیا تھا اور مولاناؒ وہاں جا کر غسل کر لیا کرتے تھے۔ "الحياء نصف الایمان" کا بھی تقاضہ تھا۔

آہ! اب کیا عرض کروں میری آنکھیں عالم خیال میں مولانا صاحبان کو دیکھ رہی ہیں ہمارے درمیان دوپہر کا اجتماعی کھانا تناول فرما رہے ہیں مولانا صدرالدین مرحوم اکثر اکڑوں بیٹھ کر کھانا کھاتے تھے اور کبھی ایک پاؤں بچھا کر مگر چوکڑی مار (جیسے ہمارے دیار میں پلوتھا مار کر بیٹھنا کہتے ہیں) کبھی نہیں بیٹھتے تھے۔ اللہ مغفرت فرمائے اور جنت الفردوس دونوں مولانا صاحبانؒ کو عطا فرمائے۔ آمین!

مولانا موصوف کا لباس بھی معمولی ہوتا تھا دیکھنے میں لگتے تھے کہ کوئی معمولی دیہاتی آدمی ہوں گے مگر کیا خبر کہ یہ شخص اپنے سینہ کے اندر علوم کے خزانے رکھتا ہے اور اپنے عہد کا علامہ ابن تیمیہؒ ہے۔

آیئے ابھی اور چند باتیں مولانا صدرالدین صاحبؒ کی پڑھ لیجئے۔

میں ایک دن ایک مصرعہ گنگنا رہا تھا اتفاق سے یہ مصرعہ ثانیہ تھا اور وہ یہ ہے "زبان تلخ می زیبد لب لعل شکر خارا" میں نے مولانا مرحوم سے عرض کیا کہ مولانا مصرعہ اولی یاد نہیں آرہا ہے بلا تامل فرمایا:

بدم گفتی عفاک اللہ نکو گفتی　　　زبان تلخ می زیبد لب لعل شکر خارا

اس یادداشت پر مجھے بڑی حیرت ہوئی۔ مولانا اصلاحی مرحوم کو اخبار بینی کا بڑا شوق تھا اخبار کو جبتک پورا نہیں پڑھ لیتے تھے چھوڑنے کو دل نہیں چاہا کرتا تھا دوسرے اخبار بین حضرات کی رعایت رکھتے ہوئے اخبار کو دو قسطوں میں مطالعہ فرماتے تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موصوف حالات حاضرہ سے کس قدر واقف رہنا چاہتے تھے کہ بڑی معلومات تھیں مرحوم مولانا صدرالدین صاحب اصلاحیؒ کو۔

مرحوم کی نظر علم طب پر بھی تھی علم نظری اور عملی دونوں پر کبھی کبھی مجھ سے اس فن کے بارے میں گفتگو فرمایا کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ مرحوم کے درجات بلند فرمائے اور فردوس بریں میں اعلیٰ مقام سے نوازے۔ آمین!

☆ International & Domestic Air Ticket
☆ Stamping of Family Visa from Saudi Embassy
☆ Haj % Umra Visa & Air Ticket
☆ Arabic Translation
☆ Attestation of Academic & Marriage Certificates by Concerned Authorities

Contact :

ZEE
ENTERPRISES PVT. LTD.
NAYEEM AHMAD GHAZI FALAHI

603, INDRA PRAKASH BUILDING
21, BARAKHAMBHA ROAD
CONNAUGHT PLACE
NEW DELHI - 110 001 (INDIA)
Phone : 3711155, 3715599, 3352589
Fax : 91-11-3352887
e-mail : niswa@yahoo.com

مولاناؒ کے اوصاف حسنہ

سلطان احمد اصلاحی
رفیق ادارہ تحقیق وتصنیف اسلامی
پان والی کوٹھی، دودھ پور، علی گڑھ (یوپی)

ادارہ تحقیق وتصنیف اسلامی علی گڑھ کے مرحوم صدر الدین اصلاحیؒ نے اپنے پیچھے جو تصنیفی اور تحریری سرمایہ چھوڑا ہے، اس پر ہندو بیرون ہند تحریک اسلامی کے اندر اور باہر کے ارباب علم وفکر آنے والے بہت دنوں تک اپنے خیالات کا اظہار اور اس کے تجزیہ وتحلیل اور اس کی تقدیر وتحسین کا کام کرتے رہیں گے زیر نظر مضمون میں جیسا کہ اس کے عنوان سے ظاہر ہے، اس پہلو سے ہٹکر مولانا کے اوصاف حسنہ اور ان کی زندگی کی نمایاں خصوصیات و امتیازات پر نگاہ ڈالنی مقصود ہے افسوس ہے کہ ۱۹۷۲ء میں ادارہ تحقیق سے راقم کی وابستگی کے کئی سال پہلے سے مولانا مرحوم اپنی خرابی صحت اور دیگر خانگی ضرورتوں کے پیش نظر زیادہ تر اپنے مستوطن قصبہ پھول پور میں رہنے لگے۔ اس لئے اس وقت کے ادارہ تصنیف جماعت اسلامی ہند پان والی کوٹھی دودھ پور علی گڑھ میں ان کا قیام مختصر ایام کے لئے ہی ہوتا تھا جس کا سلسلہ وقت گذرنے کے ساتھ کم سے کم تر ہوتا گیا بعد کے زمانہ میں ادارہ میں ان کی زیادہ تر آمد اور قیام اپنی صاحبزادیوں کے مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے پرائیویٹ امتحان کے بہانے سے ہوتا جس کے طفیل خاکسار کو ان کے ساتھ کچھ وقت گذارنے، ان کو برتنے، ان کی خدمت کرنے اور ان سے استفادہ کرنے کا اچھا موقع فراہم ہوجاتا۔ صاحبزادیوں کے مسئلہ امتحان کے خاتمہ کے ساتھ مولاناؒ کی علی گڑھ آمد بھی کم سے کم تر ہوگئی یہاں تک کہ خرابی صحت کے باعث ۱۹۸۵ء میں ادارہ تحقیق کی صدارت سے استعفاء کے ساتھ اس کا سلسلہ بالکل ہی موقوف ہوگیا۔ اس طرح مولاناؒ کے ساتھ وقت گذاری کی یہ کل مدت چند ماہ سے زیادہ کی نہیں بنتی ہے لیکن شعور کی عمر میں کسی شخصیت کے ساتھ یہ مدت اس کو جانچنے اور پرکھنے اور اس کی خوبیوں اور اچھائیوں کا اندازہ لگانے کے لئے بہت کچھ کافی ہے۔ اور اس کے لئے بہت

طویل صحبت اور برسہا برس کی معیت اور یکجائی کی بہت زیادہ ضرورت نہیں ہے اور اسی کے حوالہ سے سطور ذیل میں مولاناؒ کے کچھ اوصاف حسنہ کا ذکر کیا جاتا ہے ادارہ تحقیق سے وابستگی کے تعلق کے علاوہ مولاناؒ سے خاکسار راقم الحروف کے انتہائی قریبی اور گھریلو تعلقات بھی ہیں ان اوصاف حسنہ کی تفصیل میں اس سے حاصل شدہ واقفیت اور معلومات سے بھی بہت کچھ مدد لی جائے گی۔ وباللہ التوفیق

۱۔ نظم وضبط:

مولانا کی زندگی کا سب سے نمایاں وصف جسے ان کے ساتھ تھوڑا سا بھی وقت گذارنے والا پہلی نظر میں محسوس کرتا وہ ان کا نظم وضبط اور ان کی حد درجہ مربوط ومنظم اور پابند اوقات زندگی تھی۔ وہ اس کی بڑی سختی کے ساتھ پابندی کرتے اور دوسروں سے بھی اس کی ایسی ہی پابندی کراتے بلکہ سچی بات یہ ہے کہ ان کے ساتھ رہ کر آدمی اپنے آپ ایک نظم میں کسا ہوا محسوس کرتا اور دفتر کا کسا ہوا انظام اسے اپنے آپ پابند اوقات بنا دیتا تھا۔ ادارہ تحقیق میں شعبہ علمی کے لئے دفتر کے اوقات ہمیشہ سے چھ گھنٹہ رہے ہیں جس میں آدھ گھنٹہ حسب سہولت کسی بھی وقت بطور وقفہ استعمال کئے جاسکتے ہیں اس زمانہ میں اس کا سلسلہ موسم کے فرق سے ساڑھے پانچ گھنٹہ ظہر سے قبل اور ڈیڑھ گھنٹہ قبل عصر تک دراز رہتا۔ باہر رہنے والے رفقاء سہ پہر میں دوبارہ دفتر آتے اور زیر تربیت طلبہ کو اس وقت اگر وہ سو رہے ہوتے تو انہیں جگا دیا جاتا۔ مولاناؒ اس پورے وقت کی بڑی سختی سے پابندی کرتے جسے دیکھ کر دوسرے اپنے آپ اس کے پابند ہوجاتے تھے اس کا اندازہ صرف ایک مثال سے ہوسکتا ہے کہ زیر تربیت طلبہ کو ظہر تک وہ اخبار کی شکل نہیں دیکھنے دیتے اخبار وہ خود پڑھتے بلکہ اس کے لئے کسی قدر ان کے بے چینی بھی صاف محسوس کی جاسکتی تھی، لیکن اسے پڑھنے کے بعد اپنے پاس ہی روک لیتے۔ بالخصوص زیر ترتیب اسکالرس کے لئے یہ دوپہر بعد ہی دستیاب ہوسکتے تھے۔ ادارہ تحقیق جیسے اداروں اسی طرح عصری جامعات سے وابستہ دوسرے ریسرچ اسکالرس کے لئے یہ روایت بہت ہی بابرکت، قابل قدر اور لائق تقلید ہے۔ مستقل مصنفین کو نہ سہی تو

ریسرچ اسکالرس کو روزانہ ظہر سے قبل اخبارات کی دید سے اپنے کو محروم رکھنا ہی ان کے لئے ہر طرح سے بہتر اور ان کے علمی اور تحقیقی کاموں کے لئے معاون ہے۔ جماعت کے نئے نظام میں اس کے شعبہ علمی اور اس کے مساوی شعبوں سے وابستہ افراد کے لئے دفتر کے اوقات تو وہی چھ گھنٹہ ہیں لیکن نئے حالات میں اس پر یہ رخصت رکھی گئی ہے کہ لوگ وقت تو چھ گھنٹہ کا ہی دیں البتہ اپنی سہولت سے وہ دفتر آنے اور جانے کے اوقات الگ الگ اور مختلف رکھ سکتے ہیں۔ ادارہ تحقیق کے کارکنوں کو بھی اس نئی سہولت کا فائدہ حاصل ہے لیکن تجربہ سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ علمی کام کرنے والے کے لئے چھ گھنٹہ سے کم کسی طرح کفایت نہیں کرتا ہے۔ اس سلسلے میں مرحوم مولانا صدرالدین اصلاحی فرمایا کرتے تھے کہ لکھنے پڑھنے والے لوگوں سے امید تو یہی کی جاتی ہے کہ ان کا سارا وقت اسی کام میں لگے لیکن چھ گھنٹہ دفتر کے اندر اور دو گھنٹہ گھر میں کل ملا کر کم از کم دن رات کے چوبیس گھنٹے میں آٹھ گھنٹہ اسی کام میں ضرور صرف ہونا چاہئے۔ تجربہ سے مولانا کی یہ رائے صدفی صد درست معلوم ہوتی ہے جس سے حسب توفیق فائدہ اٹھانے والے فائدہ اٹھا سکتے ہیں اس سلسلے میں آخری بات یہ کہ اس طرح کے دفتروں میں دفتر کا وقت ۸ سے ۲ بجے ہونے کی صورت میں صبح کے وقت کی پابندی ہونی چاہئے۔ ورنہ اس اصول پر عمل ہونا چاہئے کہ استثنائی صورتوں کے علاوہ آدمی دفتر جس وقت آئے اسی سے چھ گھنٹے بعد وہاں سے جانے کے لئے رخت سفر باندھے۔ سب سے آسان اور مبنی بر سہولت یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ۸ سے ۹ کے درمیان لوگ دفتر آجائیں اور ۲ سے تین کے درمیان جس حساب سے وہ دفتر آئے ہوں اسی حساب سے اس سے واپس جائیں۔ ادارہ تحقیق میں عملاً اس وقت اسی پر عمل ہے۔

۲- دیانتداری:

مولاناؒ کی ایسی ہی دوسری خصوصیت ان کی بے مثال دیانتداری ہے۔ دیانتداری مالیات میں نہیں۔ یہ تو تھی ہی جس کی تفصیل آگے آتی ہے۔ یہاں اس سے مراد اپنے پیشے اور کام میں دیانت داری ہے۔ مولانا ان خوش قسمت ترین لوگوں میں سے رہے جن میں تدریسی اور انتظام کی ذمہ داریوں سے آزاد ہو کر اپنی زندگی کا بڑا حصہ کامل یکسوئی کے ساتھ

تصنیف و تالیف کے کام میں صرف کرنے کا موقع ملا۔ مولانا نے اپنی بساط کی آخری حد تک اس پیشے سے وفاداری کا ثبوت دیا۔ اور اپنی مفوضہ ذمہ داریوں کو کمال دیانتداری سے سرانجام دینے کی کوشش کی۔ برصغیر ہند میں اس وقت اسلامیات پر ریسرچ و تحقیق یا اس میدان میں تصنیف و تالیف کا کام زیادہ تر عصری جامعات میں مشرقیات کے شعبوں سے وابستہ اساتذہ اور منتخب مدارس عربیہ کے فضلا، اور اساتذہ کی بدولت ہے۔ مدارس عربیہ سے کسی قدر زیادہ عصری جامعات میں اس کام سے وابستہ افراد کی ایک جماعت وہ ہے جو متعین موضوعات پر طویل اور صبر آزما کام کے بجائے زیادہ تر وقتی فائدے کے سیمناری موضوعات تک اپنے کو محدود رکھتی ہے۔ بلکہ اس جماعت کا ایک طبقہ وہ ہے جو اس کا باقاعدہ سالانہ اسٹیمیٹ بناتا ہے کہ جاری تعلیمی سشن میں سیمناروں توسیعی خطبات اور ایسی ہی مصروفیات سے اسے اتنے ہزار کی اضافی کمائی کر لینی ہے۔ اس برصغیر میں تصنیف و تالیف اور اسلامیات پر ریسرچ و تحقیق کیلئے یکسو ادارے تو انگلیوں پر گنے جانے کے لائق ہیں۔ ان اداروں میں بھی ادھر یہ کمزوری در آنے لگی ہے جس پر قابو پانے میں ہی اس سے وابستہ اسکالرس اور ان اداروں دونوں ہی کا بھلا ہے۔ اصل توجہ مستقل اور بڑے کاموں پر ہونی چاہئے اور سیمناروں، توسیعی خطبات اور ان جیسی دوسری مصروفیات کو ضمنی اور ثانوی درجے میں رکھنا چاہئے۔ ان سیمناروں اور خطبوں کا فائدہ بھی ہے اور بالخصوص اردو دنیا سے وابستہ طبقہ مصنفین جس ناقدری اور نظر اندازی کا شکار ہے اس کی اس طرح کی مصروفیات سے کسی قدر تلافی ہو جائے تو اس پر بھی کوئی حرج نہیں ہے۔ لیکن اصل خوراک اور چٹنی، اچار اور سلاد میں توازن کو لازماً برقرار رہنا چاہئے مرحوم مولانا صدرالدین اصلاحیؒ ایسے ہی خوش نصیب مصنفین میں تھے جن کی توجہ ہمیشہ پیش نظر اپنے اصلی اور مستقل کاموں پر رہی اور انہوں نے اپنی پوری پیشہ وارانہ دیانتداری کے ساتھ متعلقہ موضوعات کا حق ادا کرنے کی کوشش کی۔ اس عملی دیانتداری کے ساتھ اپنے موضوعات کے تئیں ان کی ذہنی اور دماغی دیانتداری بھی اس سے کم نہ تھی وہ اپنی صلاحیت اور اپنے علم اور قابلیت کے مطابق پیش نظر موضوعات کو بہتر سے بہتر انداز میں نمٹانے کی کوشش کرتے اور تصنیف کے کسی مرحلے میں سہل نگاری اور ڈھیل

کے روادار نہ ہوتے۔ صحیح حدیث میں مجتہد کیلئے اگر وہ صحیح نتیجے تک پہونچے تو اس کے لئے دو اجر اور اگر غلطی کر جائے پھر بھی اس کے لئے ایک اجر کی بشارت سنائی گئی ہے۔ پتہ نہیں کیوں ہمارے یہاں اس اجتہاد کو فقہی اجتہاد کے ساتھ خاص کر دیا گیا ہے حالانکہ حدیث میں اجتہد کا لفظ مطلق ہے جس میں فقہ اور غیر فقہ کے درمیان امتیاز کرنے کا کوئی اشارہ نہیں ہے۔ اس کے اس مفہوم کو اگر اسی طرح برقرار رکھا جائے اور کوئی وجہ نہیں کہ اسے برقرار نہ رکھا جائے تو کوئی مسلمان اسکالر اسلام کے کسی پہلو پر اپنے بس بھر محنت کرتے ہوئے اپنے نتائج تحقیق کو سامنے لائے تو خالص فقہی اجتہاد کی طرح دین کی تعبیر وتشریح کے دوسرے میدانوں میں بھی اس بشارت کا اور انعام کا مستحق ہونا چاہئے۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہ مسائل فقہیہ کی طرح عقیدے اور تربیت وغیرہ کے موضوعات پر بھی اگر کوئی مسلمان عالم دین اپنی پوری قوت لگا کر معیاری کام کر جائے تو کسی مقام پر اگر اس سے چوک بھی ہو جائے تو وہ ایک اجر کا مستحق ہوگا بصورت دیگر دو اجر کی خوش خبری تو اس کے لئے موجود ہے ہی مرحوم مولانا صدرالدین اصلاحی کا اپنے پیچھے چھوڑا ہوا علمی سرمایہ پورے طور پر اس حدیث نبوی ﷺ کا مصداق ہے۔ اسلام اور متعلقات اسلام پر انہوں نے جو کچھ لکھا ہے وہ کمال دینداری اور محنت کی آخری حد کو چھوتے ہوئے لکھا ہے اور ان شاء اللہ اس پورے ذخیرے پر وہ دو نہیں تو ایک اجر کے ضرور مستحق ہوں گے۔

۳- ریاض:

اس دیانتداری کا ہی ایک حصہ ریاض ہے جس کا مرحوم مولانا صدرالدین اصلاحی غیر معمولی اہتمام کرتے تھے۔ متعلق موضوع پر میٹر اور مواد کی تلاش وتحقیق میں تو یہ ریاض ہوتا ہی اس کی پیش کش اور تسوید میں وہ اس سے بڑھ کر ریاض کے عادی تھے ادھر جو زندگی میں قدروں کا زور کم ہوا ہے اور کام کا حق ادا کرنے کے بجائے اسے چلتا کرنے کا رجحان پیدا ہوا ہے۔ اس کا بہت نمایاں اثر بالخصوص اور تحریروں پر محسوس کیا جا سکتا ہے۔ تحریر جیسی تیسی لکھ گئی۔ اس کے بعد بس اسے چھپوانے اور اس کی اشتہا بازی سے دلچسپی ہوتی ہے۔ تحریر کو سنوارنے اور اس کے رچنے اور گھٹنے کا اہتمام بہت کم کیا جاتا ہے۔ مسودہ تیار نہیں ہوا

کہ اس پر قلم رکھنا گناہ۔ اسے اب بس چھپنا ہی چاہئے اور مارکیٹ میں آ کر قارئین سے خراج تحسین وصول کرنا چاہئے۔ مرحوم مولانا صدرالدین اصلاحی طبقہ مصنفین کی اس عام روش سے ہٹ کر تحریر میں ریاض کے قائل تھے کہنے کے لئے نہیں بلکہ حقیقت میں وہ ایک ایک لفظ کو تولتے اور ایک ایک جملے کو کستے اور اس کو خوب سے خوب تر بنانے کا اہتمام کرتے تھے جلد بازی کا ان کے یہاں کہیں گذر نہیں تھا۔ اللہ نے ان کو تصنیف وتالیف کے لئے فراغت کی نعمت سے نوازا تھا۔ تو وہ اس نعمت کے صحیح معنوں میں قدرداں تھے۔ تحریر میں کوئی ان کے انہماک کو دیکھتا تو اپنے آپ انہیں ڈسٹرب کرنے کی ہمت نہ کر پاتا۔ اپنے سراپا سے وہ ایک خاص کیفیت میں گرفتار ہوتے اور ان کی اس کیفیت کو دیکھ کر اس وقت ان سے دور ہٹ جانا ہی آدمی کو اپنی سمجھداری کا تقاضہ معلوم ہوتا اس کا اندازہ ان کے مسودات سے ہوتا جو ان کی پے در پے اصلاحات سے بالکل لہولہان ہوتے۔ دانشور طبقے میں تحریر میں اس ریاض کی ایک نمایاں مثال مرحوم سید عابد حسین تھے جو معروف روایت کے مطابق اپنی زندگی کے آخری دنوں تک مسودہ ایک سطر چھوڑ کر لکھتے اور خالی سطر کو اپنی پے در پے اصلاحات سے خالی نہ رہنے دیتے مرحوم مولانا صدرالدین اس طرح سطر کو چھوڑ کر تو نہ لکھتے تھے لیکن ان کی تحریر کا انداز ایسا پختہ اور گٹھا ہوا تھا کہ اس کے باوجود اپنی اصلاحات کے لئے ان کو پوری پوری جگہ مل جاتی تھی اور بین السطور جگہ نہ ملنے پر ان کے تیر کے نشانات صفحے کے حواشی اور اس کی آس پاس باقی ماندہ خالی جگہوں کو گھیرے ہوتے۔ مضمون اور کتاب پر ان کا یہ ریاض صرف الفاظ کی کانٹ چھانٹ اور جملوں کی نشست و برخاست اور ان کے نوک پلک درست کرنے تک ہی محدود نہ ہوتا، اس کا مضمون اور مشمول اسی طرح مستقل ان کے ریاض کی زد میں ہوتا اور کتاب چھپنے کے بعد بھی اس پر اس ریاض کا سلسلہ اسی طرح دراز رہتا۔ معرکہ اسلام و جاہلیت جو بالکل ان کی ابتدائی دور کی تصنیف تھی نظر ثانی اور ترمیمات کے بعد عمر کے آخری مرحلے میں جب وہ منظر عام پر آئی تو اس ریاض کے نتیجے میں اس کی شکل ہی کچھ سے کچھ ہوگئی۔ یہی معاملہ دین کا قرآنی تصور، کا رہا جس کا حجم ان کی نظر ثانی کے بعد کہیں سے کہیں پہونچ گیا۔ عمر وفا کرتی تو ان کی دوسری تصنیفات کا معاملہ

یقیناً اس سے مختلف نہ ہوتا۔ تاہم ان دونوں کتابوں ہی کے پہلے اور آخری اڈیشنوں کے موازنے سے ان کے اس تصنیفی مجاہدے اور ریاض کا اندازہ بھی آسانی کے ساتھ لگایا جاسکتا ہے مرحوم کی انشاء کا مخصوص انداز ہے جو اپنے آپ میں پیچیدہ اور بہت زیادہ عوامی نہیں ہے لیکن اس کا منشاء یہ ہرگز نہیں ہے کہ تحریر کو سہل اور قابل قبول اور گوارا بنانے کی کوشش میں کمی کو جائز رکھا گیا ہے نہیں اس کے بجائے اس کو پرکشش اور جاذب نظر بنانے کی انتھک محنت کی گئی ہے یہ محض مخصوص اسلوب کی ساخت کی مجبوری ہے جو اسے بہت زیادہ رواں دواں نہیں بننے دیتی ہے ریاض کی ہرگز کمی نہیں ہے بلکہ اس پر بہت وقت لگا ہے اور دن رات کی محنت سے اسے اس کے موجودہ مرحلے تک پہونچایا گیا ہے۔

۴-معاملات کی صفائی:

علمی دیانتداری کی طرح معاملات کی صفائی میں بھی مولانا بہت اونچے مقام پر فائز تھے۔ دفتر کے معاملات ہوں کہ گھر کے وہ انھیں بالکل صاف ستھرا اور بے غبار رکھتے۔ ہوشیاری، چالاکی، گول مول بات، گول مول رویہ، پیچ دار زندگی، پیچ دار گفتگو، اندر سے کچھ باہر سے کچھ، کردار میں اس طرح کی دورنگی اور منافقت سے مولانا کو دور دور تک واسطہ نہ تھا وہ بالکل دوٹوک اور صاف بات کرتے اور ایسا ہی دوٹوک اور صاف معاملہ رکھتے۔ ہوشیاری مسکنت آمیز ہو یا تمکنت آمیز دونوں میں سے کسی کا ان کے یہاں گذر نہ تھا۔ چھوٹے اور بڑے ہر ایک سے وہ معاملات بالکل صاف رکھتے اور اس میں کہیں کسی قسم کے جھول اور لچک کی گنجائش نہ ہوتی۔ تمکنت آمیز ہوشیاری کے مقابلے میں بسا اوقات مسکنت آمیز ہوشیاری بڑی خطرناک ہوتی ہے۔ پہلے کا مقابلہ آسان ہے۔ دوسرے کا مقابلہ بہت مشکل ہے۔ مرحوم مولانا صدرالدین اصلاحی اس طرح کی منافقت اور عیاری سے بہت بلند تھے۔ کسی کی جانب داری، کسی بے جا وکالت، کسی کو آگے بڑھانا، کسی کو پیچھے ہٹانا یہ مولانا مرحوم کے طریقے نہ تھے۔ وہ اپنے ذاتی اور منصبی دونوں آراؤں میں اپنے کو شکوک وشبہات سے بالا رکھتے۔ وہ اپنے کام میں خود یکسو رہتے اور دوسروں کو بھی یکساں ایسے ہی یکسو دیکھنا پسند کرتے۔ علی گڑھ قیام کے دوران تصنیفی تربیت کے اسکالروں میں بھی کسی وقت کسی کو وہ نسبتاً

غیر یکسو محسوس کرتے تو فوراً اس کو متوجہ کرتے اور تذبذب کی کیفیت میں مختصر سے مختصر مدت کے لئے بھی ادارہ میں اس کے قیام کو وہ مناسب خیال نہ کرتے۔ کسی شخص سے معاملہ کرنے میں آدمی کا اطمینان نہ ہونا بالکل الگ بات ہے۔ اس کے معاملات کا صاف ہونا بالکل الگ چیز ہے معاملات میں ہر شخص کو برابری کے درجہ میں مطمئن کر پانا تو تقریباً ناممکنات سے ہے لیکن انصاف پسندی کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹے تو اس عدم اطمینان کے باوجود آدمی متعلق شخص کی صفائی معاملات کا اعتراف کرسکتا ہے۔ مرحوم مولانا صدرالدین کا بھی یہی معاملہ تھا ان کے برتاؤ پر آدمی اپنے عدم اطمینان کا تو اظہار کرسکتا تھا لیکن ان کی معاملات کی صفائی شبہے سے بالا تھی جب کہ یہ وہ حمام ہے جس میں بڑے بڑے لوگ بے لباس نظر آتے ہیں۔

۵-نمازوں کا اہتمام:

مولانا کی ایک اور خصوصیت جس میں وہ اپنا جواب نہیں رکھتے تھے ان کا نمازوں کا غیر معمولی اہتمام تھا ان کے ساتھ رہنے والا کوئی شخص پہلی نظر میں نمازوں کے لئے ان کی فکر مندی کو محسوس کرتا۔ نماز اسلامی عبادات کا اہم ترین رکن ہے اور عملی نمونوں سے ہٹ کر سلف سے لے کر خلف تک دین میں اس کی اہمیت اور اس کے امتیازی مرتبہ ومقام پر اب تک بہت کچھ لکھا جاچکا ہے لیکن واقعہ ہے کہ ادھر آخر کے زمانہ میں ترجمان القرآن مولانا حمیدالدین فراہیؒ نے اس کا جو صور پھونکا اور اپنی مثالی زندگی میں اس کے عملی اہتمام سے اس کا جو جلوہ دکھایا اپنے مابعد اثرات کے ساتھ باہر اس کی نظیر ملنی مشکل ہے۔ بانی تحریک مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ اور مولانا امین احسن اصلاحیؒ کے علاوہ تحریک اسلامی کے جن فکر سازوں نے اپنے اپنے انداز سے اس کے حلقے میں اس کی آبیاری اور اس کے حق پر فضا بنائی مرحوم مولانا صدرالدین اصلاحیؒ کا نام اس میں سرفہرست ہے۔ تربیت کے موضوع پر مولانا کا چھوڑا ہوا ورثہ اسلامیات میں شاہکار کا درجہ رکھتا ہے۔ قلب غافل نہ ہو تو اس کے مطالعے سے آدمی نماز کی طرف متوجہ ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اس علمی نمونے کے ساتھ مولانا صدرالدین اصلاحیؒ نماز کے اس اہتمام کا عملی نمونہ بھی تھے ان کی موجودگی میں کسی کی ہمت نہ ہوتی کہ وہ نماز کو موخر کر کے دوسری جماعت کی تجویز پیش کرسکے۔ نمازوں کا اہتمام طبقہ علماء اور دوسرے دینی

حلقوں میں بھی ہے۔ بلکہ ظاہری طور پر تحریک اسلامی سے زیادہ بھی ہے لیکن مولانا فراہیؒ تحریک اسلامی اور مولانا صدرالدین اصلاحیؒ کے اہتمام صلوٰۃ کی خوبی یہ تھی وہ انہیں پوری طرح فحشاء اور منکر سے روکنے میں کامیاب تھی۔ جب کہ روایتی دیندار حلقے میں نمازوں کا اہتمام، دنیاداری، مالیات میں خرد برد اور بڑی بڑی گھپلے بازیاں ساتھ ساتھ چلتی ہیں نمازوں کی نگرانی میں اس کے باطنی آداب اور داخلی خشوع وخضوع کے علاوہ نماز باجماعت کا اہتمام مرحوم مولانا صدرالدین اصلاحی کے یہاں غیر معمولی تھا۔ کتاب اللہ کے اندر نماز کے حوالہ سے ''محافظت'' کی جو جابجا تاکید ہے[۱] نماز باجماعت کا اہتمام اس کا بہت ہی ابھرا اور نمایاں پہلو ہے۔ نماز کی ایسی محافظت طبقہ علماء میں بھی بہت کم لوگوں کو نصیب ہوگی۔ مصنفین کا طبقہ عام طور پر نماز باجماعت کے سلسلے میں کوتاہ رہا ہے جس سے اسلامیات کے مصنفین کا استثناء نہیں ہے۔ مولانا صدرالدین اصلاحی کا دامن اس علت سے بالکل پاک تھا نماز باجماعت ان کے یہاں سب سے اوپر تھی اور غالباً ان کی پوری تصنیفی زندگی میں ایک موقع پر بھی خیالات کی آمد نماز باجماعت سے غیر حاضری کے لئے عذر نہ بن سکی ہوگی۔ نماز باجماعت کی اہمیت کے بارے میں یوں تو بہت کچھ کہا جاسکتا ہے لیکن یہاں صرف ایک بات کا تذکرہ کیا جاتا ہے تجربہ کہتا ہے کہ جس کے یہاں نماز باجماعت میں نقص ہو، وہ شخصیت شہرت اور مقبولیت کے جس مقام پر بھی فائز ہو اس کی دینی زندگی لازمی طور پر نقص کا شکار ہوگی اسی طرح اپنی زندگی میں چاہے وہ دوسرے جتنے کارنامے بھی انجام دے لے معاملات میں کھرا ہونے کی اس سے امید نہیں کی جاسکتی۔ نماز باجماعت اور صفائی معاملات کا بڑا گہرا تعلق ہے اور ارباب نظر کیلئے اس میں بڑی عبرت کا سامان ہے مرحوم مولانا صدرالدین اصلاحی کو اللہ نے نماز باجماعت کی اس دولت سے بڑی فراوانی سے نوازا تھا ہم جیسے ناقصین کی زندگی میں اس کی ایک جھلک بھی آجائے تو رب کے حضور سرخ روئی کا بہت کچھ سہارا ہوجائے۔ کاش کہ تحریک اسلامی سے وابستہ افراد معاملات کی صفائی کے ساتھ نماز باجماعت کے اہتمام کی اپنی دوسری امتیازی خصوصیت کو برقرار رکھنے میں کامیاب ہوسکیں۔

۶-مالیات میں غیر معمولی احتیاط:

جو شخص معاملات میں صاف ہوگا، انشاءاللہ اس کی مالیات بھی صاف ستھری ہوگی۔ رب کریم نے مولانا کے دامن کو مالی بے احتیاطیوں کے داغ سے زندگی بھر محفوظ رکھا۔ تقسیم کے بعد مرکز جماعت اسلامی ہند رام پور کے شعبہ تصنیف سے وابستہ ہونے سے قبل ان کا زیادہ تر وقت تدریس اور بہت تھوڑا وقت دارالاسلام پٹھان کوٹ میں بانی جماعت اسلامی مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کے ساتھ ان کے علمی رفیق کار کی حیثیت سے گذرا، جہاں مالی بے احتیاطیوں اور مالی خرد برد کوئی مسئلہ ہی نہ تھا۔ مرکز جماعت رامپور کے شعبہ تصنیف سے وابستہ ہونے کے بعد بھی ان کی اس حیثیت میں ذرہ برابر فرق نہیں آیا۔ جماعت میں یوں بھی وہ دور اصلاً قربانیوں کا دور تھا اور بلاشبہ یہ برصغیر ہند میں تاریخ دعوت وعزیمت کا بڑا روشن باب ہے افسوس ہے کہ اس کی تاریخ مرتب نہیں ہورہی ہے اور وقت گذرنے کے ساتھ اس کے بہت بڑے سرمائے کے ضائع ہونے کا خطرہ پیدا ہورہا ہے۔ اس کے لحاظ سے اس وقت جماعت کا پورا مرکز ہی اصلاً ایثار وقربانی کا مرکز تھا۔ لیکن اس کے باوجود انتظام کی سطح پر کچھ نہ کچھ مالیات تو رہتی ہی تھی اور اسی کے سہارے جماعت کا کام چلتا تھا۔ مولاناؒ چونکہ اس شعبہ سے کوئی تعلق ہی نہ تھا اس لئے اللہ نے اس کی مسئولیت سے بھی ان کو پوری طرح آزاد کر رکھا تھا۔ ۱۹۷۰ء میں اس شعبہ کے ادارہ تصنیف جماعت اسلامی ہند کی صورت میں علی گڑھ منتقل ہوجانے کے بعد بھی کارکنوں کے مشاہروں کے علاوہ اس کے بقیہ مصارف دو ہندسوں سے شاید ہی آگے رہتے ہوں گے تو رامپور کے زمانہ میں اس کے اس سے زیادہ ہونے کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے اب اس کی تبدیل شدہ صورت ادارہ تحقیق وتصنیف اسلامی علی گڑھ کی صورت حال دوسری ہے اور اس کے معاملات پہلے سے مختلف ہیں۔ کتابوں کی تیاری کے ساتھ ادارہ ہی سے ان کی اشاعت ادارہ کے کارکنوں کے علاوہ باہر کے مصنفین کی بھی اس میں شمولیت ادارہ کا ترجمان رسالہ اور تعمیرات وغیرہ کے سلسلے سے مالیاتی دائرے میں وسعت کے ساتھ متعلق ذمہ داری اس کی نسبت سے مسئولیت بھی اتنی ہی بڑھ گئی ہے۔ مرحوم مولانا صدرالدین اصلاحی کو اللہ نے ان جھمیلوں سے محفوظ رکھا ان کی دینی اور علمی خدمات کی اللہ کی

نظر میں جو بھی قدر و قیمت ہو، بلا شبہ یہ خدمات بہت عظیم ہیں اور اللہ کی ذات سے امید ہے کہ وہ ان کا شایان شان اجر مرحوم مولانا صدر الدین اصلاحی کو عطا فرمائیں گے لیکن کچھ تعجب نہیں کہ ان کے مقابلے ان کی درویشی اور مالیاتی عفت مآبی مولی کریم کی نگاہ میں اس سے زیادہ جچے اور زیادہ وزنی اور قابل قدر قرار پائے جب کہ یہ وہ پل صراط ہے جس پر اچھے اچھوں کو پھسلتے دیکھا جا سکتا ہے اصولی طور پر نہ سہی، لیکن بالخصوص ہندوستان کے موجودہ حالات میں کسی مولوی اور عالم کے پاس پیسہ کا نہ ہونا، اس لکھنے والے کے نزدیک، اسکے حق میں سند (*Qualification*) ہے پیسہ ہونا اس کیلئے باعث نقص اور اس کی (*Disqualification*) ہے ظاہر ہے خالص مولوی کے ذرائع آمدنی معروف ہیں۔ تدریس، امامت اور خطابت اور بہت آگے بڑھے تو تصنیف و تالیف اس سے تو قوت لا یموت بھی حاصل ہونا مشکل ہے اور اس سے وابستہ ناہمواریوں کے ساتھ آدمی کے لئے باعزت زندگی گذارنا آسان نہیں ہے اس لئے کچھ علماء دین اور زعمائے ملت کے یہاں اس سے ہٹ کر مخصوص چمک دمک نظر آئے تو یہ خطرے کی گھنٹی ہے استثنائی صورتوں کے علاوہ یہ قومی ملی مالیات میں خرد برد کی علامت ہے اس میں یا تو چندے کا کمیشن شامل ہے یا اجتماعی بیت المال کو ذاتی اکاؤنٹ کی صورت میں استعمال کیا جا رہا ہے اللہ رب العزت کا بڑا غیر معمولی کرم ہے جس کو وہ اس آفت سے بچا دے مالیاتی لحاظ سے بے داغ مولوی کی دنیا تو پریشانی میں گذر سکتی ہے لیکن انشاء اللہ آخرت میں اس کی زندگی آرام سے گذرے گی اور اکل حرام کے عذاب سے محفوظ رہے گا مرحوم مولانا صدر الدین اصلاحیؒ انشاء اللہ ان بے داغ عالموں میں سر فہرست ہوں گے جن کا حساب کتاب بہت آسان ہوگا۔ مالیات میں ان کی احتیاط کے لئے صرف ایک مثال کافی ہو سکتی ہے انہوں نے اپنی آخری عمر میں حج کسی جماعت کے ٹکٹ پر نہیں اپنے پیسے سے کیا۔ کچھ رقم کم پڑی تو ان کے بڑے صاحبزادے جناب ڈاکٹر افتخار احمد خاں صاحب نے اسے اپنی طرف سے شامل کرنا چاہا تو مرحوم نے اس تردد کی بنا پر اسے قبول کرنے سے انکار کیا کہ تم اسکول (اقرا پبلک اسکول پھول پور) کے منیجر ہو اور اس کا حساب کتاب تمہارے پاس رہتا ہے اس لئے شبہ ہے کہ اس کی رقم کچھ آگے

پیچھے ہو جاتی ہو اور تمہارے حساب میں باقی رہ جاتی ہو اس لئے میرے حج کو اس سے محفوظ رہنا ہی مناسب ہے چنانچہ یہ درکار رقم گاؤں کی آبائی جائداد کی فروخت سے ملی رقم سے پوری کی گئی۔ مولانا کی اس احتیاط کا اثر ان کے پورے گھر پر ہے ان کے بڑے صاحبزادے خود اس احتیاط کا ایک اعلیٰ نمونہ ہیں۔ مولانا کی یہ محض شدت احتیاط تھی۔ ورنہ اقرا اسکول کا جیسا صاف حساب کتاب برادر موصوف ڈاکٹر خاں صاحب رکھتے ہیں بہت کم اسکولوں اور اداروں کو ایسا صاف ستھرا منیجر اور خازن نصیب ہوگا صرف اس ایک مثال سے مولاناؒ کی باقی زندگی کی احتیاطوں کا اندازہ کیا جا سکتا ہے کاش کہ طبقہ علماء اور تحریک اسلامی سے وابستہ افراد کو مولانا کے اس نمونے کی پیروی کی توفیق ہو سکے۔ مالیات پر اسی احتیاط کے پیش نظر انہوں نے بیرون ملک سے اپنی کتابوں پر ملنے والی جائز رائلٹی کی کوئی رقم قبول نہیں کی حالانکہ یہ بالکل ان کا جائز حق تھا اور ان کو اس کی ضرورت بھی تھی۔

۷۔ سادگی:

حد سے بڑھی ہوئی سادگی مولاناؒ کی ایسی ہی ایک خصوصیت تھی جسے ان کے ساتھ تھوڑا سا بھی وقت گذارنے والا بڑی آسانی سے محسوس کرتا۔ طبقہ علماء میں ایسے لوگوں کی کمی نہیں ہے جن کے کرتے شلوار اور دو پلی ٹوپی میں بھی طمطراق چھپائے نہیں چھپتا ہے۔ اس پر چمکیلا چشمہ اور بوئے دار رومال مریدان کی ترک بھڑک کو بڑھاتا ہے تحریک اسلامی اور مکتب فراہی سے وابستہ علماء کو اللہ نے ان آفتوں سے محفوظ رکھا ہے سادگی کے نمونے دوسرے حلقوں میں بھی یقیناً موجود ہیں لیکن یہ استثناء ہیں اور یہاں یہ معاملہ ہے کہ دوسرے حلقے سے وابستہ ہو جانے کے باوجود اس سادگی کی روایت میں فرق نہیں آتا ہے استثناء کے لئے نگاہ دوڑاتے ہیں تو کوئی مثال ہاتھ نہیں آتی ہے مرحوم مولانا صدر الدین اصلاحیؒ کے یہاں اس ترک بھڑک کا کہیں نام و نشان نہ تھا بالکل سادہ لباس اور سادہ زندگی ہم نے انہیں ۱۹۷۶ء سے دیکھا جب کہ ان کے بڑے صاحب زادے کی غیر معمولی قربانیوں اور مثالی محنت کی بدولت گھر میں وسائل کی کسی قدر فراوانی ہو گئی تھی اور مولانا کے دور اول کی تختی اور مالی ناہمواری باقی

نہیں رہ گئی تھی لیکن کسی قدر کشادگی کے اس دور میں بھی ان کی سادگی اسی طرح برقرار رہی بعد کے زمانہ میں اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے کشادگی میں اور اضافہ کی جس میں وہ چاہتے تو اچھے سے اچھا کھا سکتے اور پہن سکتے تھے لیکن اس دور فراخی میں بھی ان کی مثال سادگی میں ذرہ برابر فرق نہیں آیا۔ اپنے سراپا سے وہ بالکل کچ اور دھان پان تھے مجمع میں اجنبی انہیں دیکھتا تو ان کی مجموعی ہیئت سے دوسروں لوگوں سے اس کا ان کا امتیاز کرنا مشکل ہوتا سادگی کو ایمان کا حصہ بتانے والے اور اس کا درس دینے والے تو طبقہ علماء میں بہت ملیں گے لیکن اس کو برت کر دکھانے والے بہت خال خال نظر آئیں گے۔ مرحوم مولانا صدرالدین اسی نیکی بھی جماعت کے رکن رکین تھے جیسی ان کی سادگی کامل تھی انشاء اللہ ان کا ایمان بھی ایسا ہی کامل ہوگا اور جس کو کامل ایمان کی دولت پھر اس کو کسی اور چیز کی ضرورت ہی کیا باقی رہتی ہے۔

۸- گمنامی پسندی:

سادگی اور گمنامی پسندی کو ایک ہی سکے کے دو رخ کہا جا سکتا ہے چنانچہ جہاں سادگی ہوگی وہاں گمنامی پسندی بھی ضرور پائی جائے گی مرحوم مولانا صدرالدین اس کا ایک بہت عمدہ مصداق تھے جہاں وہ سادگی اور بے تکلفی کے اعلیٰ مقام پر فائز تھے اسی طرح شہرت سے دوری اور گمنامی پسندی کی خوبی بھی ان میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی شہرت پسندی ایک ایسا مرض ہے جس سے اچھوں اچھوں کو رستگاری نہیں ہے ہر حال میں یہ بری بھی نہیں ہے کتاب اللہ کی صراحت سے اللہ نے ذکر خیر کی نعمت سے اپنے برگزیدہ پیغمبروں کو نوازا۔ اور رہتی دنیا تک کے لئے اپنی کتاب کے ذریعہ ان کو وہ شہرت اور مقبولیت عطا کی ہے جس سے بڑی شہرت اور مقبولیت کا تصور نہیں کیا جا سکتا لیکن یہ بات جب ہے کہ شہرت اپنے آپ ملے اللہ کی توفیق سے آدمی ایسا کچھ کرے یا کر جائے جسے بندگان خدا یاد کرنے کے لئے مجبور ہوں اور جس کے نقوش کو وہ مٹانا بھی چاہیں تو اس میں کامیاب نہ ہوں۔ شہرت قابل مذمت اس وقت ہو جاتی ہے جب کہ کچھ کئے بغیر ہی مصنوعی ذرائع سے اس کے حصول کی سعی کی جائے کیا کم جائے اس کا ڈھول زیادہ پٹوایا جائے یہ مذموم شہرت ہمیشہ سے دینداری کی آفات میں

سب سے بڑی آفت رہی ہے جس کے لئے طرح طرح کے جوڑ توڑ کئے جاتے ہیں اور سادگی کو پہاڑ کی صورت میں پیش کیا جاتا ہے اس کی بنیاد پر بڑی بڑی دنیوی منفعتیں حاصل کی جاتی ہیں اور اس کو ایک کاروبار کی صورت میں پروان چڑھایا جاتا ہے مرحوم مولانا صدرالدین اصلاحی کو اس بیماری کی معمولی چھوت بھی نہ لگی تھی بلکہ صحیح بات یہ ہے کہ اپنے بیش بہا کارناموں کی بدولت جو جائز شہرت ان کے حصے میں آنی چاہئے تھی وہ زندگی میں تو ان کے حصے میں بہرحال نہیں آئی بعد کا حال اللہ کو معلوم ہے لیکن امید ہے کہ وقت گذرنے کے ساتھ اس میں اضافہ ہوگا اور لیل و نہار کی گردش سے یہ حنا جس قدر رگڑ کھائے گی اس کا رنگ دن بدن بڑھتا ہی جائے گا اپنی اس گمنامی پسندی کے باعث تحریک اسلامی سے باہر کے حلقے میں انہوں نے کبھی اپنی پہچان بنانے کی کوشش نہیں کی حالانکہ وہ ایک ادارہ کے مدت العمر صدر رہے وہ چاہتے تو اس کا کوئی ترجمان نکال سکتے تھے اور اس کی بنیاد پر ملک و بیرون ملک اپنے اثر و رسوخ کو بڑھا وادے سکتے تھے لیکن ان سفلیات کو ان کے یہاں سے گذرنے کی بھی اجازت نہ تھی۔ جس ذات عالی کی خوشنودی کے لئے انہوں نے یہ خدمات انجام دی تھیں اس کو تو ان کا خوب پتہ تھا ہی پھر اہل دنیا سے تو انہیں کچھ لینا نہ تھا جن کو بتانے اور جتانے کا وہ اہتمام اور جتن کرتے۔

۹- صبر:

ان کی زندگی کا ایسا ہی ایک بڑا نمایاں وصف ان کا غیر معمولی صبر تھا۔ اپنی اسی سالہ زندگی کے آخری قریب پینتیس برس انہوں نے تقریباً بیماری کی حالت میں گذارے یہ ایک ریکارڈ ہے لیکن کبھی اس کے حوالہ سے ان کی زبان پر حرف شکایت آتے نہیں سنا گیا۔ پیٹ کی مرحوم کو مستقل شکایت رہتی تھی اس کے علاوہ علی گڑھ کے قیام کے دوران وہ اکثر و بیشتر سخت بخار میں تپ رہے ہوتے جس کے لئے معمولاً انہیں ٹیراسائیکلین کے تیز کیپسول کھانے پڑتے تھے اس کی مجموعی تعداد سیکڑوں سے تجاوز ہو چکی تھی کسی مجلس میں اس تعداد کا تذکرہ آیا تو بعض واقف کار لوگوں کی طرف سے استعجاب سے کہا گیا مولانا اس تیز کیپسول کے اس مقدار میں کھا جانے کے بعد بھی آپ کس طرح زندہ ہیں انگریزی دواؤں کے معروف ملحق اثرات

کے نتیجے میں اس سے تو بہت سے اعضاء جسم کی کارکردگی کا متاثر ہوجانا یقینی ہوتا ہے لیکن مرحوم مولانا صدرالدین اصلاحی پر ان تبصروں کا کوئی اثر نہ تھا وہ یہ دوا اور دوسری دوائیں برابر کھاتے رہتے اور جب ذرا طبیعت بحال ہوتی اور اپنے کو کام کے قابل محسوس کرتے کام میں لگ جاتے اور جب تک ہمت ساتھ دیتی اس میں ایسے ہی لگے رہتے اس بیماری کے علاوہ علی گڑھ قیام کے دوران ان کے صبر کا دوسرا مظاہرہ بھی دیکھنے میں آیا ادارہ تحقیق علی گڑھ میں باورچی خانہ کا نظام کبھی قابل اطمینان نہیں رہا اس کی وجہ سے مولانا کے لئے کھانا ہوٹل سے لانا پڑتا تھا جس کی ناہمواریاں سب کو معلوم ہیں۔ ادارہ میں زیر تربیت طلبہ کی شکایتوں کا یہ ایک اہم ایجنڈا رہا ہے بعض دوسرے بزرگوں کا جن کا علی گڑھ میں ان دنوں کسی ضرورت سے قیام رہا اور کچھ وقت یا کچھ دن انہیں ہوٹل میں کھانا پڑا تو انہیں اس کی شکایت سے لبریز پایا لیکن باوجود اس کے کہ مرحوم مولانا صدرالدین خرابی معدہ کے مستقل مریض تھے راقم کو کسی ایک موقع پر بھی ان کی طرف سے اس کھانے کی شکایت سننے کا موقع نہیں ہوا وہ پورے اطمینان سے ہفتوں ہوٹل کا ہی کھانا کھاتے اور حسب معمول اپنے کام میں لگے رہتے سچ یہ ہے کہ جن لوگوں کے سامنے زندگی کے بڑے مقاصد ہوتے ہیں وہ بہانے بہانے سے گلے شکوے کرکے اپنی قوت کار کو ضائع نہیں کرتے۔ ان کی نگاہ ہر وقت منزل پر لگی ہوتی ہے اثناء سفر کی دقتوں اور پریشانیوں کو وہ خاطر میں نہیں لاتے مرحوم مولانا صدرالدین اصلاحی ایک ایسی ہی ہستی تھے جن کے سامنے دین کی علمی خدمت کا ایک بڑا مقصد تھا اس مقصد کی راہ میں انہوں نے کسی رکاٹ کو رکاوٹ نہیں سمجھا اور تمام تر مسائل حیات کے باوجود پوری یکسوئی شرح صدر اور انہماک کے ساتھ تصنیف وتالیف کا وہ عظیم کام کر گئے جن کے برابر کا کام ان مسائل کے ساتھ آج بہت کم لوگ کرنے کی ہمت کر سکتے ہیں بلکہ اب تو حال یہ ہے کہ مسائل کے پیدا ہونے سے پہلے ہی سے دل ودماغ پر اس کا ہوا سوار رہتا ہے اور اس کے بہانے سے آدمی کسی کام میں ہاتھ ڈالنے سے اپنے کو قاصر پاتا ہے مسائل میں گھر کر کام کرنے کا تو کوئی خانہ ہی نہیں ہے مرحوم مولانا صدرالدین اصلاحی کی روایت اس کے برعکس تھی کاش کہ کچھ جیالے اس روایت کو زندہ کرنے والے پیدا ہو سکیں۔

۱۰- مہمان نوازی:

مہمان نوازی بھی مرحوم کی ایک بڑی صفت تھی جس میں وہ اپنا جواب نہیں رکھتے تھے آخری پیغمبر ﷺ کے اللہ کے سچے رسول کی ایک دلیل کہا جاسکتا ہے جو انہوں نے مہمان نوازی کو ایمان کی علامت سے قرار دیا کتنی بڑی بات کہی گئی ہے کہ یہ مہمان نوازی کی مسلمان کے لئے اس کی زندگی کی سب سے بڑی دولت کا دیباچہ اور اس کا سرنامہ ہے جہاں سچا ایمان ہوگا وہاں لازماً ضیافت کا اہتمام ہوگا مرحوم مولانا صدرالدین اصلاحی کی حسنات کا یہ بھی ایک بڑا عنوان ہے۔ ادارہ تحقیق کی نسبت کے علاوہ مرحوم سے راقم کا اس سے پیشگی تعلق مادر علمی اور وطن کا ہے میرے گاؤں بھور متو کا بازار پھولپور ہے اور ادارہ سے تعلق کے بعد تو یوں بھی ان کے گھر سے گھر جیسے تعلقات ہوگئے تھے اس کے حوالہ سے موقع بہ موقع ان کے یہاں جانے کا اتفاق ہوتا رہتا۔ مہمان کے آتے ہی مولانا کے چہرے پر ایک خاص طرح کی خوشی اور انبساط کی کیفیت دیکھنے کو ملتی جیسے انہیں کوئی بڑی چیز ہاتھ آگئی ہے۔ مہمان ابھی ٹھیک سے بیٹھ بھی نہیں پایا کہ وہ اس کی ضیافت کے لئے سرگرم ہوگئے حالانکہ ان کا مکان قصبہ میں ہونے کے ناطے آس پاس کے دیہاتوں سے ان کے ہاں لوگوں کے آنے کا برابر سلسلہ رہتا ان کی علمی اور تحریکی شخصیت کی کشش اس کے علاوہ تھی جس کے باعث ان کا گھر ایک طرح سے ضیافت خانہ بنا رہتا تھا لیکن شاید ڈھونڈے سے ہی اس کی کوئی مثال مل سکے گی کہ کوئی شخص باقاعدہ ان سے ملنے کی نیت سے گیا ہو اور حسب موقع ان کی ضیافت سے شادکام ہوئے بغیر واپس آیا ہو۔ اس ضیافت میں مادی لوازم کے ساتھ وہ معنوی ضیافت کا بھی ایسا ہی اہتمام کرتے یعنی کہ مہمان سے بے تکلفی اس سے ہر طرح کی باتیں اور اس کی طرف اپنے کو پوری طرح متوجہ رکھنے کا اہتمام ورنہ مصنوعی ضیافت اور کھانے پینے کا اہتمام تو صاحب حیثیت دوسرے لوگوں کے یہاں بھی ہو جاتا ہے لیکن یہ فرض اتارنا ہوتا ہے۔ سراپا سے ٹپکتا ہے کہ مہمان ان کے لئے بوجھ ہے اور یہ بوجھ جس قدر جلد اترے ان کو سکون کا سانس ملے مرحوم مولانا صدرالدین اصلاحی کی ضیافت اس سے مختلف تھی وہ اس میں صرف لذت کام ودہن کا ہی انتظام نہیں کرتے تھے بلکہ اپنے پورے وجود سے اس ضیافت کا ایک

حصہ بن جاتے تھے ضیافت کا اصل لطف اسی اپنائیت کا ہے جس کا مولانا مرحوم کے یہاں غیر معمولی اہتمام تھا۔ یہ ضیافت چونکہ طبیعت کا ایک حصہ تھی اس لئے علی گڑھ بچوں کے ساتھ مختصر قیام کے لئے آمد میں بھی بعض اوقات یہاں بھی اس کا اہتمام ہو جاتا اس موقع پر بھی مولانا کی سرگرمی دیکھنے کے لائق ہوتی ہم لوگ ان کے خورد اور دفتر کے طالب علم ہوتے لیکن ان کی محبت اور اہتمام میں ہمارا اور چہ بڑوں سے کسی طرح کم نہ ہوتا۔

کتاب اللہ کے ایک بیان (البقرۃ:۱۹۶) سے دس کا عدد ایک کامل عدد ہے سو ان ہی دس نکتوں پر یہ مضمون تمام کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ مولانا مرحوم کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے ان کی حسنات کا بڑھ کر بدلہ دے اور عثرات سے درگذر فرمائے ان کی معنوی میراث میں ادارہ تحقیق وتصنیف اسلامی علی گڑھ سرفہرست ہے جس نے عنفوان شباب سے تادم آخر وہ عملی اور ذہنی طور پر وابستہ رہے دعا ہے کہ اس کے وابستگان کو بالخصوص ان اوصاف حسنہ کو اپنانے کی توفیق نصیب ہو۔

حواشی وحوالہ جات

(۱) مستوطن اس لئے کہ مولانا اپنے آبائی گاؤں سید حا سلطان پور سے اٹھ کر قصبہ پھول پور میں آباد ہو گئے تھے یا یہ کہ اپنے بڑے صاحبزادے جناب ڈاکٹر افتخار خاں صاحب کے ساتھ رہنے لگے تھے خیال رہے کہ سید حا سلطانپور ضلع اعظم گڑھ کا وہ مردم خیز گاؤں ہے جس سے بانی مدرسۃ الاصلاح مولانا محمد شفیع مولانا اختر احسن اصلاحی اور ڈاکٹر خلیل الرحمٰن جیسے عالموں اور ادیبوں کا نام وابستہ ہے یہ گاؤں قصبہ پھول پور سے ۱۰۔۱۵ کلومیٹر دور جنوب مشرق میں واقع ہے۔

(۲) اس کے حوالہ سے مولانا کی خاکسار راقم سے برابر مراسلت بھی رہتی تھی یہ ساری مراسلت راقم کے پاس محفوظ ہے جسے کسی اور وقت کے لئے اٹھا رکھا گیا ہے۔

(۳) راقم کے مرحوم بڑے بھائی جناب اقبال احمد شاہ صاحب کے مولانا سے اس وقت سے تعلقات تھے جب کہ وہ شاہ گنج سے متصل ضلع اعظم گڑھ کے گاؤں میں اس کے رئیس جناب بدھو شیخ صاحب کے یہاں ان کے صاحبزادوں کے اتالیق اور معلم کی حیثیت سے خدمات انجام دیتے تھے اس زمانہ میں بھائی صاحب مرحوم جناب بدھو شیخ صاحب کے گویا ایک فرد کی حیثیت رکھتے تھے اور جناب شیخ

صاحب کے صاحبزادگان ان کے لنگوٹیا یار تھے اس کے علاوہ مولانا کے بڑے صاحبزادے جناب افتخار احمد صاحب سے تو گویا راقم کے بڑے بھائی کے سے مراسم ہیں۔

(۴) علالت کے سبب یا دوسری ترجیحات سے مولانا کا قیام وطن پر ہوتا جب بھی وہ دفتر کے اوقات کی پابندی بالکل اسی انداز سے کرتے ایک کاپی پر باقاعدہ اپنی حاضری بناتے اور رخصتوں وغیرہ کا باقاعدہ حساب رکھتے ایسے اہتمام کی مثالیں اب شاذ ونادر ہی دیکھی جا سکتی ہیں۔

(۵) صحیحین کی روایت: من اجتهد واصاب فله اجر ان ومن اجتهد واخطا فله اجر واحد بحواله: الورقات للجوينی مشموله مجموع متون اصوليه مكتبة مدرسة الاصلاح سرائے میر اعظم کره الهند طبعه اولی ربیع الاول ۱۴۰۴ھ

(۶) بقرہ:۲۲۸۔ مومنون ۹، معارج:۳۳ وغیرہ

(۷) حقوق مجردہ کی بیع کی حرمت کے حوالہ سے رائلٹی کی حرمت کی ہمارے پرانے فقہاء کی رائے فی زمانہ نظر ثانی کی طالب ہے یہ صرف جائز نہیں بلکہ کثر حالات میں اسے واجب کہنا مناسب ہے انشاء اللہ اس پر تفصیلی لکھنے کا ارادہ ہے وباللہ التوفیق

(۸) سنن ابوداؤد کی مشہور روایت ان البذاذة من الايمان ، ان البذاذة من الايمان بحوالہ: ریاض الصالحین للنووی ۱۸۱ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۴۰۰ھ ۱۹۸۰ء

(۹) "وتركنا عليه في الآخرين" جس کا حضرت نوح سے لے کر حضرت الیاس تک بار بار تذکرہ ہے۔ صافات:۷۸۔۱۲۹ نیز اس کے علاوہ دیگر مقامات۔

(۱۰) صحیح بخاری ومسلم کی روایت: من كان يومن بالله واليوم الآخر فليكرم ضيفه الخ بحواله: رياض الصالحين ۳۳۵ محولہ بالا

اسلامی امتحانات بھوپال

نوجوان نسل کے اندر اسلامی تعلیم وتربیت کو فروغ دینے کے لئے جامعہ اسلامیات نے اسلامی امتحانات کا سلسلہ شروع کیا ہے۔ یہ امتحانات گھر بیٹھے دئے جا سکتے ہیں۔ امتحانات کا میڈیم اردو اور ہندی ہے۔ جوابات کسی بھی زبان میں دئے جا سکتے ہیں۔ امسال امتحان جولائی ۲۰۰۰ء میں ہوں گے۔ قواعد ونصاب مفت طلب فرمائیے۔

عبدالحلیم

سکریٹری جامعہ اسلامیات

ندیم روڈ، ابراہیم پورہ، بھوپال-001 462

کہتی ہے تجھ کو خلق خدا غائبانہ کیا

طفیل محمد

۹۷-۹۹
۱۶۳-۹۹

محترم مولانا صدرالدین اصلاحی صاحب مرحوم و مغفور

یہ بات لائق صد شکر و امتنان ہے کہ جامعۃ الفلاح بلریا گنج مولانا صدرالدین اصلاحی مرحوم و مغفور کے بارے میں ایک خصوصی نمبر شائع کر رہا ہے۔ مولانا صدرالدین مرحوم کا جو مقام اپنے علم و فضل، تقویٰ و طہارت اور بلند اخلاق و کردار میں تھا اور پھر تحریک اسلامی اور اس کے بانی مؤسس مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی مرحوم و مغفور کے ساتھیوں میں جو درجہ ان کا تھا اس کا تقاضا بھی اور تحریک کے نئے وابستگان کو ان سے متعارف کرانے کیلئے ضروری بھی کہ مولانا موصوف کے بارے میں زیادہ سے زیادہ معلومات جمع اور مرتب کر کے ان کو شائع کر دیا جائے۔

مجھے افسوس ہے کہ مجھے مولانا صدرالدین مرحوم سے گہری عقیدت و احترام اور مخلصانہ محبت رکھنے کے باوجود کوئی قابل ذکر عرصہ تک ان کے ساتھ رہنے کا موقع نہیں ملا۔ لیکن جب اور جیسا کچھ بھی موقع ملا ان کے علم و فضل اور تقویٰ و طہارت کردار نے دل و دماغ پر گہرا اثر چھوڑا۔

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب سے مولانا صدرالدین اصلاحی صاحب کا تعارف و تعلق غائبانہ ان کے رسالہ ترجمان القرآن کے ابتدائی زمانہ سے ہی ہو گیا تھا اس کا ثبوت یہ ہے کہ مولانا صدرالدین اصلاحی کا مضمون استدراک ابوالاعلیٰ مودودی بعنوان نکاح کتابیہ مولانا مودودی صاحب کے رسالہ ترجمان القرآن بابت مارچ ۱۹۳۴ء میں شائع ہوا جب کہ یہ رسالہ ابھی حیدرآباد دکن سے نکلتا تھا۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ مولانا صدرالدین اصلاحی صاحب کا مولانا مودودی صاحب اور ان کے رسالے سے تعارف ۱۹۳۴ء سے بھی پہلے سے تھا۔ اس کے بعد صدرالدین اصلاحی صاحب کا دوسرا مضمون "مسلمان اور امامت کبریٰ" جولائی تا اکتوبر ۱۹۳۴ء اور "معرکہ اسلام و جاہلیت" ترجمان القرآن اپریل تا ستمبر ۱۹۳۸ء میں شائع ہوا اور پھر یہ سلسلہ ۱۹۳۹ء تک جاری رہا۔

مولانا صدرالدین اصلاحی صاحب ان چار حضرات میں سے ایک تھے جنہوں نے ۱۹۳۹ء میں مولانا ابوالاعلیٰ مودودی صاحب کی اس کھلی پکار پر لبیک کہا جو انہوں نے جمال پور تحصیل پٹھان کوٹ ضلع گورداسپور سے ہندوستان بھر کے مسلمانوں کو مخاطب کر کے دی کہ کون یہاں "دارالاسلام" کے قیام کے لئے میرا ساتھ دیتا ہے۔ یہ چار حضرات درج ذیل تھے۔

हमारी पुस्तकें

1- अनूदित कुरान मजीद *रूपान्तरकार : मुहम्मद फ़ारूक ख़ां*
मौलाना सैयद अबुल आला मौदूदी (रह०) के सुप्रसिद्ध सरस उर्दू अनुवाद का हिन्दी रूपान्तर। कुरान के अनुवाद के साथ संक्षिप्त व्याख्या भी दी गई है।

2- चालीस हदीसें · *संकलनकर्ता : मौलाना सैयद हामिद अली (रह०)*
यह चालीस हदीसों का संकलन है। यह हदीसें जीवन के विभिन्न पहलुओं से सम्बन्ध रखती हैं। संकलनकर्ता ने उनकी व्याख्या भी सुंदर ढ़ंग से की है।

3- सत्य की खोज *वहीदुद्दीन ख़ां*
खुदा के अस्तित्व और इस्लाम की सभ्यता पर एक साइन्टिफिक पुस्तक।

4- हमारा देश किधर जा रहा है? *सैयद जलालुद्दीन उमरी*

5- आसान कहानियां (छोटे बच्चों के लिये) *अफ़ज़ल हुसैन*

6- सत्य-धर्म *मौलाना सैयद अबुल आला मौदूदी (रह०)*

7- तौहीद वाला शहज़ादा *माइल ख़ैराबादी*

8- इन्सान और उसकी समस्याएं *सैयद जलालुद्दीन उमरी*

9- बन्धुआ मज़दूरी और इस्लाम *सुल्तान अहमद इस्लाही*
किसी व्यक्ति को बलपूर्वक ख़रीदकर या उसकी किसी मजबूरी का लाभ उठा कर सेवा में लगाए रखने के सम्बन्ध में इस्लाम की शिक्षाओं का विवेचन।

10- सबक आमोज़ कुरानी क़िस्से *माइल ख़ैराबादी*

11- दया भाव और मांसाहार *मुहम्मद फ़ारूक ख़ां*

12- गुड्डू की गुड़िया *माइल ख़ैराबादी*

13- इस्लाम आपसे क्या चाहता है? *सैयद हामिद अली (रह०)*

पुस्तक सूची मुफ़्त मंगाएं।

इस्लामी साहित्य प्रकाशन
1525, सूई वालान, नई दिल्ली - 110 002

۱۔سید عبدالعزیز صاحب شرقی ضلع جالندھر

۲۔مستری محمد صدیق صاحب سلطان پور لودھی ریاست کپورتھلہ

۳۔سید محمد شاہ صاحب جو ترجمان القرآن کے منیجر تھے۔

۴۔مولانا صدرالدین اصلاحی صاحب

"ادارہ دارالاسلام" پٹھان کوٹ ضلع گورداسپور حال مشرقی پنجاب انڈیا کے ۱۹۳۸ء سے رکن ہونے اور مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی سے وابستہ ہونے کے باوجود مولانا صدرالدین صاحب تاسیس جماعت کے اجتماع مورخہ ۲۶ اگست ۱۹۴۱ء میں شریک نہیں تھے۔ اس لئے کہ وہ اس وقت رنگون (برما) میں دینی خدمات انجام دے رہے تھے۔ مولانا صدرالدین اصلاحی صاحب کی تصنیفات معرکہ اسلام وجاہلیت مسلمان اور امامت کبریٰ، فریضہ اقامت دین، حقیقت نفاق، اساس دین کی تعمیر اور اسلام ایک نظر میں کے علاوہ سب سے بڑا علمی کارنامہ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کی مشہور ومعروف تفسیر قرآن تفہیم القرآن جو چھ جلدوں پر مشتمل ہے ان کی ایک جلد میں تلخیص ہے جو انہوں نے مولانا مودودی صاحب کی اجازت اور مشورہ سے کی۔ یہ مولانا صدرالدین صاحب مرحوم ومغفور کا ایسا عظیم کارنامہ ہے جو انشاءاللہ ان کو تاقیامت زندہ وپائندہ رکھے گا۔

تقسیم ہند کے وقت مولانا صدرالدین صاحب ہندوستان میں ہی تھے۔ اس لئے تقسیم کے بعد وہ جماعت اسلامی ہند کا حصہ بن گئے اور پھر تادم آخر وہیں اور جماعت اسلامی ہند کا سرمایہ ہی بنے رہے اور آخر وہیں ہندوستان میں اپنے گاؤں پھول پور ضلع اعظم گڑھ میں بتاریخ ۱۳/نومبر ۱۹۹۸ء ان کا انتقال ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ علیین میں بلند درجات سے نوازے۔ اللھم اکرم نزلہ ووسع مدخلہ سھل حسابہ ونور قبرہ، وادخلہ الجنة مع الابرار

(طفیل محمد)

۲۵ ذی قعدہ ۱۴۱۹ھ : ۱۳ مارچ ۱۹۹۹ء

آخر دم تک دین کی اشاعت میں لگے رہے

جماعت اسلامی ہند کے ممتاز رہنما اور عالم دین مولانا صدرالدین اصلاحی صاحب کی وفات کے بارے میں سن کر بہت دلی صدمہ ہوا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون

مولانا مرحوم جماعت کے پرانے مخلص اور محقق رہنماؤں میں سے تھے وہ آخر دم تک علم دین کی اشاعت کے کام میں لگے رہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے دین کے غلبے کی جدوجہد کے سلسلے میں ان کی خدمات جلیلہ کو شرف قبولیت بخشے ان کی لغزشیں معاف کر دے اور انھیں اپنی رحمتوں سے ڈھانپ لے۔ مولانا مرحوم کی وفات کی وجہ سے عالم اسلام کے علمی حلقوں میں جو کمی واقع ہوئی ہے اللہ تعالیٰ اپنے فضل خاص سے اس کی تلافی فرمادے۔

والسلام

قاضی حسین احمد

امیر جماعت اسلامی پاکستان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نعیم صدیقی ــــــــــــــــــ لاغالب الاھو

۵/مارچ ۱۹۹۹ء

عزیز مکرم مظفر خان صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا خط (بلکہ بیک وقت دو) ملا۔ اول تو اس بات کا اظہار کہ مولانا کی جدائی سے دل بہت ملول ہوا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ دوسرا خیال یہ آیا کہ میں تو ان کا بہت دور بار کا فیض یافتہ اور خوشہ چین محبت ہوں مگر آپ پہ کیا بیتی ہوگی۔ ۱۹۷۳ء میں میں بھی اس تجربے سے گذرا تھا اللہ تعالیٰ آپ کا حامی وناصر ہو اور صبر جمیل کے علاوہ حقیقی میراث پدر سے بھی نوازے۔

میراث پدر خواہی علم پدر آموز

اور اقبال نے جاوید کو حضرت نظامی کا ایک شعر لکھا تھا تضمینی نظم کے خاتمے پر

اپنے نور نظر سے کیا خوب فرماتے ہیں حضرت نظامی

جائیکہ بزرگ باید بود

فرزندی من ندارد سود

یہ ابھی باتیں سامنے آگئیں، یوں ہی لکھ گیا، ورنہ آپ تو خدا کے فضل سے من پریشان جادہ ہائے علم ودانش کردہ طے" پر عمل کرتے ہوئے مقامات ومنازل سے گذری رہے ہیں۔ خدا زیادہ سے زیادہ توفیق دے۔

مضمون کا مسئلہ مشکل یوں ہے کہ......

ایک تو ان سے قرب ورابطہ کا دور گزرے بہت دیر ہوگئی۔ دوسرے وہ دور مختصر تھا۔

تیسرے میں نے واقعات یا گفتگوؤں وغیرہ کے نوٹس نہیں لکھے۔

چوتھے حافظہ قابو سے باہر ہے۔

اندریں صورت زیادہ سے زیادہ چند تاثراتی سطور ہی لکھی جاسکتی ہیں، اور وہ دلی تعلق کے لحاظ سے بہت کم اور کمزور ثابت ہوں گی۔ ہاں دوسروں کے مضامین سے کچھ باتیں مستعار لے کر شامل کی جاسکتی ہیں۔ کمی یہ بھی ہے کہ ان کی سرحد پار کی سرگرمیوں کی خبریں اور معلومات مجھے مسلسل نہیں ملتی رہیں کہ 'دعوت' اور 'زندگی' باقاعدگی سے مطالعہ میں نہیں رہے۔ کبھی کوئی شمارہ اتفاق سے دیکھ لیا مگر اس صورت میں حکایت مربوط نہیں بنتی۔

المختصر میں انکار تو نہیں کرسکتا مگر میری تحریر میرے دوستانہ رابطے سے کم تر رہے گی۔

۱۰/بی، وارث کالونی، وحدت روڈ، لاہور پوسٹ کوڈ 54570 فون: 5419508
([illegible])

پھر آپ کا مطالبہ شاید جلدی کا ہو مگر یہاں ہر چیز تاخیر سے آتی ہے کیونکہ وقت کا تیز رفتار گھوڑے پر سوار نکل جاتا ہے اور ہمارے لئے گرد ہی رہ جاتی ہے اس گرد سے مضمون، خطوط یا اشعار بنتے ہیں مگر بعد از وقت۔ میں نے سارا حال احوال لکھ دیا ہے تاکہ سند رہے۔ آخرت میں مرحوم بھائی کے لئے مغفرت و رحمت کی دعا بحضور رب کریم۔

نیاز کیش

پچھلے دنوں ایک خط انتہائی بذریعہ e-mail سے آر زمی صاحب کو لندن بھیجا تھا۔ اس میں ان کو مولانا صدرالدین صاحب کے بارے میں اپنے احساس سے آگاہ کیا تھا۔ رزمی صاحب نے میری بات ان ہی سے رضوان صاحب، پھر رضوان صاحب کا سلام میرے لئے۔ رزمی صاحب فروری میں یہاں آئے سب عادت وہ خطوط کی فوٹو نقول بھی لے آئے۔

مولانا بلند پایہ مفکر، عظیم دانشور اور تحریک اسلامی کی علامت تھے۔

مولانا صدرالدین اصلاحی صاحب کی رحلت ہم سب کیلئے گہرے رنج و ملال کا باعث ہے۔ تحریک اسلامی سے مولانا مرحوم کا تعلق آغاز ہی سے رہا ہے بلکہ جماعت اسلامی کی تشکیل سے پہلے ۱۹۳۸ء میں مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی نے جو ادارہ دارالاسلام کے نام سے قائم کیا تھا مولانا صدرالدین اصلاحی ان حضرات میں سے ایک تھے جو شروع ہی میں اس سے وابستہ ہوگئے تھے اس طرح کوئی ۶۰ سال مولانا مرحوم تحریک اسلامی کی فکر اور اس کے پیغام کی اشاعت میں آخر دم تک لگے رہے۔ مولانا ایک بلند پایہ مفکر، ایک عظیم دانشور، قرآن کے مفسر، فکر فراہی کے ترجمان اور تحریک اسلامی کے عظیم رہنما اور اس کی علامت تھے۔

مولانا سراج الحسن

(امیر جماعت اسلامی ہند)

جماعت اسلامی پاکستان

برادر فرحان احمد صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

آپ کے خط کے جواب میں اسیری و رہائی کی ہنگامی مصروفیات آڑے آتی رہیں۔ ماہنامہ "حیات نو" کی طرف سے مولانا صدرالدین اصلاحی پر خصوصی شمارہ شائع کرنے کی خبر خوش آئند ہے مجھے بطور خاص اس شمارے کا انتظار رہے گا۔

مولانا صدرالدین اصلاحی تحریک اسلامی کا ایسا قیمتی اثاثہ تھے جنہوں نے اپنے گراں قدر علم سے ایک عالم کو منور کیا۔ مجھے ان سے ملنے بلکہ دیکھنے کی بھی حسرت رہی۔ ان کی کتب کے مطالعے نے تحریری ملاقات کو بار بار مہمیز دی، لیکن افسوس کہ کوئی سبیل نہ بن سکی۔

جناب صدرالدین اصلاحی نے اپنی کتب کے ذریعہ دین کے عام طلب کی پیاس بجھانے کا بندوبست کیا۔ ان چشمۂ فیض سے ہزاروں لاکھوں نے استفادہ کیا ہے۔ آئندہ بھی لاکھوں لوگ اس سے مستفید ہوتے رہیں گے۔ اصلاحی صاحب مرحوم و مغفور کی کتب کا ایک خاص وصف اول دن سے میرے دل پر نقش ہے کہ یہ کتب تحریک اسلامی کے کارکنوں کی تربیت کے لئے اپنے اندر بیش بہا رہنمائی رکھتی ہیں۔ اس حوالے سے مرحوم و مغفور تحریک اسلامی کے لئے مربی و استاذ کا درجہ رکھتے ہیں۔

میں نے سب سے پہلے ان کی معرکۃ الآرا کتاب "اساس دین کی تعمیر" پڑھی پھر "فریضۂ اقامت دین" اور اس کے بعد "حقیقت نفاق" کو زبان قدرے مشکل اور دقیق محسوس ہوئی لیکن مضمون ذہن و دل میں مرتسم ہوتا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو زبان و بیان پر جو قدرت عطا کی تھی اور اس پر مستزاد فہم دین اور تصور دین کی دولت سے جس طرح نواز تھا یہ ان کی خاص عنایت اور فضل تھا تحریک اسلامی کے منہاج اور مزاج کو جاننے اور سمجھنے میں ان کی تحریروں اور کاوش کا بڑا حصہ ہے۔ اللہ تعالیٰ یہ سب ان کے لئے صدقہ جاریہ بنا دے۔ آمین

میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم و مغفور پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے اور ہمیں ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

والسلام

(سید منور حسن)

قائم مقام امیر جماعت اسلامی پاکستان

منصورہ ملتان روڈ لاہور پاکستان فون: 9-7844605-24-5419520 فیکس: 7832194 E-mail: amir@ji.org.pk

انٹرویو

"مولانا مودودیؒ کے بعد تحریک اسلامی کے سب سے بڑے مزاج شناس تھے"

مولانا شفیع مونس صاحب
نائب امیر جماعت اسلامی ہند
ابوالفضل انکلیو، اوکھلا، جامعہ نگر، نئی دہلی -۲۵

مولانا شفیع مونس صاحب نائب امیر جماعت اسلامی ہند بالکل ابتدائی دور میں جماعت اسلامی سے وابستہ ہو گئے تھے۔ شروع ہی سے شوریٰ کے ممبر چلے آرہے ہیں۔ اور برابر جماعت کی مختلف ذمہ داریوں پر فائز رہے ہیں ۱۹۵۳ء میں امیر جماعت مولانا ابواللیث صاحب مرحوم کی گرفتاری کے بعد مولانا صدرالدین صاحب اصلاحی مرحوم امیر جماعت بنائے گئے تو قیم جماعت (سکریٹری جنرل) کے فرائض آپ ہی نے انجام دیئے تھے مولانا سے آپ کے بہت قریبی تعلقات بھی رہے ہیں، اس وقت جماعت میں آپ سے زیادہ کوئی جماعت کی تاریخ سے واقف نہیں ہے۔ مولانا کے حوالے سے جو کچھ استفادہ کیا پیش خدمت ہے۔ (مدیر)

س: مولانا سے آپ کیسے متعارف ہوئے تھے؟

ج: ۱۹۳۵ء میں پہلی ملاقات پٹھان کوٹ اجتماع میں ہوئی تھی۔ میں ان کے ان مضامین سے جو ترجمان القرآن میں شائع ہوئے تھے، متاثر تھا۔ ان کے بارے میں ان مضامین کے ذریعہ ہی میری رائے قائم ہوگئی تھی کہ مولانا مودودیؒ کے بعد وہ تحریک اسلامی کے سب سے بڑے مزاج شناس ہیں۔

تقسیم ملک کے بعد جماعت کی تشکیل جدید کی ضرورت کے پیش نظر دو اجتماعات منعقد ہوئے پہلا اجتماع یوپی کے منتخب ارکان پر مشتمل تھا اور دوسرا اجتماع پورے ملک کے منتخب افراد پر مشتمل تھا یہ کل ہند اجتماع بر وارہ الہ آباد میں ہوا تھا۔ اور اسی میں تشکیل جدید کی بات طے پائی تھی اس موقع سے مولانا سے دوسری ملاقات ہوئی تھی اس اجتماع میں امارت کیلئے مولانا کا نام بھی پیش ہوا تھا اور خود مولانا مرحوم نے مولانا ابواللیث صاحب کا نام پیش کیا تھا چنانچہ وہ امیر جماعت منتخب ہوئے پھر مولانا سے تیسری ملاقات ملیح آباد میں جماعت کی مرکزی مجلس شوریٰ کے اس اجلاس میں ہوئی جو تشکیل کے بعد شوریٰ کا پہلا اجلاس تھا بعد میں جب مرکز جماعت رامپور منتقل ہوا تو مولانا کے بارے میں طے ہوا کہ ان کا قیام جماعت کے مرکز میں ہوگا۔ پھر تو برابر ملاقاتیں رہیں۔

س: مولانا کے مرکز جماعت میں قیام کا فیصلہ کیوں ہوا تھا؟

ج: مولانا جماعت کے فکری رہنما تھے جماعت کی طرف سے تصنیف و تالیف کا جو شعبہ قائم کیا گیا تھا مولانا اس کے ذمہ دار بنائے گئے تھے اسی طرح مرکز میں جو ثانوی درسگاہ قائم ہوئی تھی اس کی نگرانی بھی آپ کے ذمے تھی۔

س: مولانا نے رام پور منتقل ہونے کے بعد سب سے زیادہ اہتمام سے "تیسیر القرآن" کا کام شروع کیا تھا اس کی کیا وجہ تھی؟ اور پھر یہ سلسلہ کیوں بند ہو گیا؟

ج: اصلاً ہندی زبان میں ایسے ترجمہ و تفسیر کی شدت سے ضرورت محسوس کی جا رہی تھی جو غیر مسلمین کو سامنے رکھ کر لکھی گئی ہو اس وقت ایسی کوئی تفسیر موجود نہیں تھی اس لئے آپ کے ذمہ یہ کام کیا گیا لیکن چونکہ مولانا براہ راست ہندی میں نہیں لکھ سکتے تھے اس لئے طے پایا کہ آپ اردو میں لکھیں اور پنڈت ہری ناتھ جی اس کا ہندی ترجمہ کریں گے لیکن بعد میں پنڈت جی کالج میں پروفیسر ہو کر کانپور چلے گئے اور ہم میں کوئی اتنی ہندی نہیں جانتا تھا کہ یہ کام انجام دے سکے اس لئے یہ معرض التواء میں پڑ گیا پھر دوسری رکاوٹیں بھی آ کھڑی ہوئیں۔

س: مولانا ثانوی درسگاہ کے ناظم تھے کافی کامیاب تجربہ تھا پھر اس کے بند کرنے کے کیا اسباب رہے؟

ج: مرکز جماعت رامپور سے دہلی منتقل ہوا تو وہاں پر بروقت اسکا انتظام کرنا ممکن نہیں رہا تھا اخراجات کا بھی مسئلہ تھا اور طلبہ کی آمد کی رفتار بھی سست پڑ گئی تھی۔

س: رامپور کے زمانہ قیام میں مولانا کو جیل کیوں جانا پڑا تھا؟

ج: ۱۹۵۴ء میں P.D. ایکٹ کے تحت سب سے پہلے مولانا ابواللیث صاحب امیر جماعت مولانا یوسف صاحب قیم جماعت اور مولانا حامد علی صاحب مدیر زندگی گرفتار کئے گئے اسی موقع سے شوریٰ کی میٹنگ تھی چنانچہ اگلے روز شوریٰ کی میٹنگ میں کام کو جاری رکھنے کے لئے مولانا صدرالدین صاحب امیر منتخب کئے گئے اور مجھے قیم جماعت کی ذمہ داری سونپی گئی پھر سوا پانچ مہینے بعد اسی ایکٹ کے تحت مولانا کو، مجھے اور مولانا عبدالحی صاحب مقامی امیر رامپور کو گرفتار کیا گیا لیکن چھان بین کے بعد جب کوئی بنیاد نہیں مل سکی تو مرحلہ وار سال سال بھر کے بعد ہم سب رہا کر دیئے گئے۔ کیونکہ اس ایکٹ کے تحت ایک سال سے زیادہ کسی کو نظر بند نہیں رکھا جا سکتا تھا۔

س: اس ہنگامی صورت حال میں مولانا نے بحیثیت امیر کس طرح جماعت کو آگے بڑھایا؟

ج: اس وقت تو گرفتاریاں ہو رہی تھیں اس لئے اس طرف ہماری توجہ زیادہ رہی اس طرح کا یہ پہلا تجربہ تھا اس لئے رابطہ اور کوششوں میں کچھ زیادہ ہی سر کھپانا پڑا البتہ جو کام ہمارا معمول کا چل رہا تھا وہ برابر جاری رہا۔

س: مولانا برابر شوریٰ کے ممبر رہے اور آپ بھی برابر شوریٰ کے ممبر رہے۔ شوریٰ کے اندر مولانا کا کیا رول ہوتا تھا؟

ج: جیسا ایک عالم دین کا ہونا چاہئے۔ تحریک پر ان کی گہری نظر تھی میرا اپنا خیال تو یہ ہے کہ مولانا مودودیؒ کے بعد اس تحریک کے سب سے بڑے مزاج شناس مولانا صدرالدین صاحب تھے جو ان کا رول ہونا چاہئے ظاہر ہے کہ وہ تھا۔

س: کیا مولانا سے کسی معاملے میں کبھی آپ کو اختلاف بھی رہا؟

ج: نہیں مجھے کسی معاملے میں اختلاف نہیں رہا۔ بنیادی مسائل میں ہماری رائیں ایک ہی ہوتی تھیں البتہ بعض جزوی معاملات میں اختلاف رائے ہو جاتا اور یہ فطری بات

ہے۔ ہمارے یہاں کوئی ایسا فرد ہی پیدا نہیں ہوا جس کی رائے سے کسی کو کوئی اختلاف ہی نہ رہا ہو۔ مثلاً ابتدائی درسگاہوں کا معاملہ ہے مولانا کا یہ خیال تھا کہ ہم کو ان کی طرف توجہ دینی چاہئے جبکہ مجھے کبھی اس سے اتفاق نہیں رہا۔

س: ان سب کے باوجود آپ کیا محسوس کرتے ہیں مولانا کا رویہ کیسا رہتا تھا؟

ج: بحث ومباحثہ کا جو غلط انداز ہوتا ہے ان کا ہوتا ہی نہیں تھا جسے بحث بحثی کہتے ہیں ایسا میں نے کبھی نہیں دیکھا

س: مولانا کے ساتھ مختلف حیثیتوں سے آپکی طویل رفاقت رہی کچھ ذاتی تجربات بتائیں؟

ج: مولانا ایک شریف آدمی تھے اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ مسائل اور معاملات میں ان کی ایک سوچی سمجھی رائے ہوتی تھی میرا ان سے بہت قریبی تعلق رہا ہے۔ صرف یہ نہیں کہ وہ امیر اور میں قیم رہا ہوں۔ اس سے پہلے سے تعلق رہا ہے جبکہ مولانا کی تحریریں ترجمان القرآن میں چھپتی تھیں اس زمانے میں مولانا بختیاری صاحب مرحوم اور مولانا منظور نعمانی صاحب مرحوم وغیرہما کے مضامین بھی چھپتے تھے لیکن مجھے ان میں کسی کی تحریر اپیل نہیں کرتی تھی میری ایک خامی یہ کہ اگر استدلال مضبوط ہو کسی تحریر کا اور ادبی نقطہ نظر سے چاہے اس میں کچھ خامیاں ہی ہوں جب بھی میں اسے ضرور پڑھتا ہوں۔ اور اگر استدلال نہ ہو تو کتنی ہی ادبی چاشنی ہو میں اسے پڑھ نہیں سکتا۔ مولانا کی تحریر میں اسی خوبی کی وجہ سے پڑھتا تھا اور اس سے متاثر بھی تھا حالانکہ میں نے ابھی انہیں دیکھا نہیں تھا میں یہ سمجھتا تھا کہ بڑے "بھاری بھرکم" مولانا ہیں لیکن جب سرنا اسٹیشن (پٹھان کوٹ) پر پہلی بار ان سے ملاقات ہوئی تو وہ بالکل ایسے تھے جیسے ان کے بڑے صاحب زادے افتخار صاحب جو ہمارے شاگرد ہیں۔

س: ایک احساس یہ پایا جاتا ہے کہ مولانا نے اخیر زندگی میں اپنے آپ کو جماعتی سرگرمیوں سے ریزرو کر لیا تھا تو کیا یہ صحیح ہے؟

ج: دیکھئے مولانا فیلڈ ورکر نہیں تھے مولانا کا اصل میدان تصنیف وتالیف تھا اور اصلاً وہ فکری رہنما تھے چنانچہ کوئی کام ان کے سپرد ہوا اور وہ انکے ذوق اور صلاحیت کے مطابق بھی رہا پھر بھی

انھوں نے انکار کر دیا ایسا کبھی نہیں ہوا۔ ہاں یہ ضرور ہوا کہ مولانا کی مخصوص صلاحیت سے ہٹ کر کوئی ذمہ داری دینے کی بات آئی تو مولانا نے معذرت کرلی۔ مثلاً کئی دفعہ ایسا ہوا کہ مولانا کو یوپی کا امیر حلقہ بنایا جائے لیکن معذرت کی صورت میں بعض دفعہ پھر مجھے بھیجا گیا۔

س: جب تک شعبہ تصنیف مرکز جماعت سے وابستہ رہا اس وقت تک تو وہ خدمات انجام دیتے رہے لیکن شعبہ تحقیق وتصنیف جب علی گڑھ منتقل ہوا تو مولانا نے معذرت کرلی اس کی بھی کوئی خاص وجہ تھی؟

ج: اصل میں یہ ہوا کہ مولانا کی صحت خراب ہوگئی مولانا کی صحت اس قابل نہیں رہی کہ وہ علی گڑھ میں قیام کرسکیں ادارے والوں نے مولانا کا نام صدارت کے لئے باقی رکھنا چاہا لیکن مولانا نے کہا کہ جب میں کچھ کر نہیں رہا ہوں تو اب میرا نام صدارت کیلئے نہ رکھیں کوئی دوسرا انتظام کرلیں۔

وہ ہر معاملے میں قرآن کو مرکز و محور بناتے تھے

مولانا صدر الدین اصلاحی کے ساتھ میں چالیس برس رہا ہوں ان کی زندگی بڑی سادہ قسم کی تھی اور دو چیزیں ان کی زندگی میں ایسی تھیں جن سے طبیعت متاثر ہوتی تھی ایک تو قرآن سے ان کا تعلق کہ ہمیشہ وہ قرآن پر غور کرتے اور ان کی جو تحریریں ہوتی تھیں اس کی بنیاد قرآن مجید ہی ہوتا اور وہ ہر معاملے میں قرآن کو مرکز و محور بناتے۔ دوسری چیز جو ان کی زندگی میں نمایاں نظر آتی تھی وہ یہ کہ امت کی اصلاح اور خود جماعت کی اصلاح کس طرح ہو۔ بار بار وہ اس پر سوچتے تھے کہ امت اس وقت اپنے مقام سے گرگئی ہے۔ جماعت کے بارے میں بھی سوچتے تھے کہ ہمارا جو نصب العین ہے ہمیں اس کی فکر کرنی چاہئے کہ نصب العین کی مناسبت سے ہمارے رفقاء کی زندگی کیسی ہونی چاہئے۔ اس میں اگر کہیں کوئی کمی محسوس کرتے تو مولانا بے چین ہوجاتے اور یہ اشارہ بھی کرتے تھے کہ دیکھو یہ کمی نظر آتی ہے اسے ٹھیک کرنے کی فکر کرو۔

مولانا جلال الدین انصر عمری

(نائب امیر جماعت اسلامی ہند)

انٹرویو

"مولانا کو قرآن مجید کے مطالعہ، تدبر، تفکر پر عبور حاصل تھا"

محمد حسنین سید

درس گاہ اسلامی، اسلام نگر، دربھنگہ (بہار)

جناب حسنین سید صاحب قدیم ترین ارکان جماعت میں سے ہیں، جماعت کی شوریٰ کے ممبر رہ چکے ہیں اور مختلف حلقوں کے امارت کے فرائض بھی انجام دے چکے ہیں ان دنوں درس گاہ اسلامی، اسلام نگر، دربھنگہ کے ناظم ہیں، تقسیم سے قبل شمالی ہند کا ایک اجتماع یہیں منعقد ہوا تھا جس میں مولانا مودودیؒ اور مولانا صدر الدین اصلاحیؒ نے شرکت فرمائی تھی اس تناظر میں میں نے مولانا کے حوالے سے کچھ جاننا چاہا سوالات پیش کئے لیکن آپ نے مختصر جوابات پر اکتفا کیا کیوں کہ صحت سے انتہائی معذور ہو چکے ہیں سماعت بالکل کام نہیں کر رہی ہے لہٰذا جو کچھ ملا غنیمت سمجھتے ہوئے شائع کیا جارہا ہے۔ (مدیر)

س: مولانا سے آپ کو پہلا تعارف کب حاصل ہوا؟

ج: مولانا سے میری پہلی ملاقات دار الاسلام پٹھان کوٹ میں ہوئی جب وہ وہاں مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کے ساتھ مقیم تھے میں جماعت اسلامی کا رکن اکتوبر ۱۹۴۳ء میں بنالیا گیا تھا اور مولانا مودودیؒ نے مجھ کو مرکزی مجلس شوریٰ کا رکن نامزد کیا تھا اور مرکزی شوریٰ میں شرکت کے لئے گیا تھا۔

س: اس پہلی ملاقات میں آپ نے کیا محسوس کیا؟

ج: متانت، سنجیدگی اور ہنستی کھیلتی مسکراہٹ، مولانا بہت کم سخن تھے۔

س: تقسیم سے قبل مولانا دربھنگہ اجتماع میں تشریف لائے تھے اس وقت کی کچھ یاد ہیں؟

ج: کچھ یاد نہیں رہا۔

س: خاص خوبی جس نے آپ کو متاثر کیا؟

ج: غور سے سب کی باتوں کو سنا کرتے تھے۔

س: مولانا سے آپ کا مسلسل رابطہ رہا اس ضمن میں کوئی خاص قابل ذکر بات آپ بتانا پسند فرمائیں گے۔؟

ج: جب ڈاکٹر سید ضیاء الہدیٰ مرحوم جماعت سے غیر مطمئن ہو کر جماعت سے الگ ہو گئے تو میں نے ان کے سلسلے میں پوچھا تھا انہوں نے جماعت سے علیحدگی کو صحیح نہیں کہا اور اس وقت جماعت کے حالات سے خود بھی عدم اطمینان کا اظہار کیا۔

س: مولانا کی خاص خوبی جو دوسروں سے انہیں ممتاز بناتی ہے؟

ج: مولانا کو قرآن مجید کے مطالعہ، تدبر، تفکر پر عبور حاصل تھا جو ان کی کتاب کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے مولانا مودودیؒ نے چھ دریا میں قرآن مجید پر جاری کیں جس کے مطالعہ کے لئے جیل کا *MISA* چاہئے تو مولانا صدرالدین اصلاحی نے ان کی تلخیص کر کے ایک کوزہ میں بند کر کے پیش کیا اس کا مطالعہ حضر اور سفر میں کیا جا سکتا ہے اللہ مرحومین کو جزائے خیر سے نوازے۔ آمین۔

عالم اسلام کا ناقابل تلافی نقصان

یہ اطلاع ہمارے لئے انتہائی گہرے رنج اور غم کا باعث بنی کہ مولانا صدرالدین اصلاحی رحلت فرما گئے۔ مولانا برصغیر کے اسلامی مفکر اور اسکالر تھے۔ انھوں نے اپنی پوری زندگی اسلام اور تحریک اسلامی کے کاز کیلئے وقف کر دی تھی۔ مولانا صدرالدین اصلاحی ان پانچ اراکین میں سے ایک تھے جو دارالاسلام کے قیام کے وقت مولانا مودودی کیساتھ تھے جسے مولانا مودودی نے ۱۹۳۶ء میں پٹھان کوٹ (مشرقی پنجاب) منتقل ہونے کے بعد قائم کیا تھا۔ مولانا مرحوم کی رحلت نہ صرف برصغیر بلکہ عالم اسلام کا ناقابل تلافی نقصان ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ مولانا کی خدمات کو قبول فرمائے اور آخرت میں انھیں بہترین اجر سے نوازے۔ ہم مولانا کے اہل خاندان کے تئیں بھی دلی ہمدردی کا اظہار کرتے ہیں اور دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ انھیں صبر جمیل کی توفیق دے۔

(پروفیسر غلام اعظم امیر جماعت اسلامی بنگلہ دیش، عباس خان سینئر نائب امیر مولانا ابوالکلام محمد یوسف نائب امیر، مولانا مطیع الرحمن نظامی جنرل سکریٹری جماعت اسلامی بنگلہ دیش کا مشترکہ بیان)

انٹرویو

”مولانا کی شفقت اور چھوٹوں سے محبت نے متاثر کیا اور قریب تر ہوتا گیا“

مولانا رفیق احمد قاسمی

سکریٹری جماعت اسلامی ہند

ابوالفضل انکلیو، اوکھلا، جامعہ نگر، نئی دہلی-۲۵

مولانا رفیق احمد قاسمی صاحب جو ان دنوں سکریٹری جماعت اسلامی ہند ہیں اور اس سے قبل یوپی کے امیر حلقہ رہ چکے ہیں مولانا سے ان کے بڑے گہرے تعلقات تھے حتیٰ کہ گھریلو معاملات میں بھی باہم مشورہ کرتے رہتے تھے یہی دیرینہ تعلقات تھے کہ مولانا کے ورثاء نے نماز جنازہ پڑھانے کی درخواست کی اور آپ کو یہ شرف حاصل ہوا اسی مناسبت سے ہم نے بھی کچھ استفادہ کیا ہے۔ (مدیر)

س: مولانا سے آپ کیسے قریب ہوئے؟

ج: مولانا سے پہلی ملاقات کل ہند اجتماع عام دہلی کے موقع پر نومبر ۱۹۷۴ء میں ہوئی مولانا کی شفقت اور چھوٹوں سے محبت نے متاثر کیا اور قریب تر ہوتا گیا بالخصوص ایمرجنسی میں ۱۹۷۵ء میں جب آپ *D.I.R.* کے تحت گرفتار ہو کر اعظم گڑھ جیل میں تھے تو وہاں جیل میں ملاقات ہوئی تھی جیل میں رہتے ہوئے جس محبت و شفقت کا مظاہرہ کرتے تھے اسے بھلا نہیں سکتا گرفتار رفقاء اور ان کے اہل خانہ کے سلسلے میں واقفیت اور ان کی دیکھ ریکھ کے سلسلے میں ہدایات دینا معمول تھا۔

س: مولانا کی صحبت کا آپ کو کب کب اور کتنا موقع ملا؟

ج: قریبی تعلق ۱۹۸۲ء سے ۱۹۹۵ء تک رہا ۱۹۸۵ء تک معاون امیر حلقہ کی حیثیت سے اور ۱۹۹۵ء تک امیر حلقہ کی حیثیت سے برابر مواقع ملتے رہے جب لکھنؤ تشریف لاتے تو گھر پر قیام فرماتے، میرے بچے انس وغیرہ نانا نانا کہتے، گھر کے اندر جانے پر اصرار کرتے

تو مٹھائی دیگر بہلا دیتے میں خود پھولپور حاضر ہوتا رہتا کبھی تاخیر ہوتی تو کہتے تم سے ملاقات کے لئے لگتا ہے جیل جانا پڑے گا۔ ضعف کے باوجود سڑک تک پہنچانے آتے۔

س: آپ نے مولانا سے کن کن پہلوؤں سے استفادہ کیا؟

ج: مولانا سے بالعموم تنظیم کے مسائل پر گفتگو اور رہنمائی حاصل کرتا تھا اور مولانا بھی نہایت ہی فراخدلانہ انداز سے مشورہ دیتے تھے۔

س: ملاقاتوں میں خاص موضوعات کیا ہوتے تھے؟

ج: ملاقاتوں میں تحریکی امور زیادہ زیر بحث آتے تھے کبھی کبھی اپنی صحت اور اپنے گھریلو حالات کے بارے میں بھی تبادلہ خیال فرماتے آپ برابر اس بات کے لئے فکرمند رہتے کہ متوسلین جماعت میں مومنانہ اوصاف کیسے پیدا ہوں خصوصاً تربیت کے اوپر زیادہ توجہ دلاتے تھے وہ سمجھتے تھے کہ دوسری چیزیں اتنی وسعت اختیار کر جاتی ہیں کہ ضروری چیزیں متاثر ہو جاتی ہیں آپ فرماتے کہ ”لوگوں کی کیفیت کو سامنے رکھ کر منصوبہ بندی کی جائے“۔

س: آپ امیر حلقہ تھے اور مولانا آخر عمر میں بحیثیت ایک عام رکن اس صورت میں آپ کے ساتھ مولانا کا رویہ کیا ہوتا تھا؟

ج: اپنے ذمہ دار کے ساتھ جو معاملہ ہونا چاہئے اس کا برابر لحاظ کرتے تھے۔

س: مختلف مسائل پر بحث کے وقت مولانا کا کیا طریقہ ہوتا تھا؟

ج: جب گفتگو کرتے تو انداز نہایت ہی سنجیدہ، مفید اور مناسب ہوتا تھا بحث میں بھرپور حصہ لیتے تھے اختلاف کی صورت میں مولانا کے اندر میں نے کبھی ناگواری یا ناپسندیدگی کی بات نہیں دیکھی۔

س: آخر عمر میں مولانا تحریک سے گویا کیوں کٹ سے گئے تھے؟

ج: آخر عمر میں صحت کی وجہ سے خدمات سے معذور ہو گئے تھے ورنہ تعلق برابر استوار رہا الیکشن اور فورم کے مسئلہ پر اختلاف ہوا تو فیصلے کے بعد ڈاکٹر ضیاء الہدیٰ صاحب کو وابستگی منقطع نہ کرنے کا مشورہ دیا اس کے باوجود وہ علاحدہ ہو گئے البتہ ان کے سمجھانے پر مولانا انعام الرحمٰن خاں صاحب رکے رہے اور ان کے ایماء و اشارہ پر کچھ چیزیں تحریر بھی کیں ۱۹۹۱ء

میں جب ہنگامی کیفیت پیدا ہوگئی تو اسے رفع کرنے کے لئے بھی میرے ساتھ زحمت اٹھائی اور کوشش فرمائی۔

س: خاص خوبی جس کا آپ نے مشاہدہ کیا ہو؟

ج: تحریر پر آپ کو اس قدر قدرت حاصل تھی کہ تعجب ہوتا تھا ۱۹۷۴ء میں دہلی کے اجتماع عام کے موقع سے آپ نے ایک مقالہ ”امیر اور مامور کے فرائض“ کے عنوان پر لکھا اور اجتماع عام میں میں نے پڑھ کر سنایا تھا صورت یہ تھی کہ آپ لکھتے جاتے تھے بھیجتے جاتے تھے اور میں پڑھتا جاتا تھا۔

بسم الله الرحمن الرحيم

THE ISLAMIC FOUNDATION

MARKFIELD DAWAH CENTRE, RATBY LANE, MARKFIELD, LEICESTERSHIRE LE67 9SY, UK
TEL.: (01530) 244944/5 FAX: (01530) 244946 e-mail: islamic-foundation@...

15th November 1998

F.A.O. Br. Ridwan Islahi

Fax: 0171-684-5926

Dear Brother Ridwan

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

As conveyed over telephone, may I once again convey my sincerest condolences to you and to the members of your family on the death of your illustrious father who devoted his whole life to jihad bil-qalam and active participation in the Islamic Movement. May Allah accept his serviers in the cause of Islam and bless him with Jannat al-Firdaws in the Hereafter.

Please pass on the enclosed fax to your uncle and to your eldest brother and request them to remember us in their prayers. If there is anything I, myself or the Foundation can do, please do not hesitate to let me know.

Wishing you a safe journey to India and back to England.

Yours in Islam,

Dr. Manazir Ahsan
Director General

PROF. KHURSHID AHMAD *Chairman* DR. MANAZIR AHSAN *Director General*
The Islamic Foundation is a Registered Religious Charity No. 263371

مولانا صدرالدین اصلاحیؒ
شخصیت، فکر اور اسلوب کی کچھ جھلکیاں

ڈاکٹر سید عبدالباری شبنم سبحانی

لالہ کا پورہ، سلطان پور (یو۔پی)

مولانا صدرالدین اصلاحیؒ اس جاتی ہوئی بیسویں صدی کے عظیم اسلامی مفکرین، داعیان الی الخیر اور قرآن حکیم کی روح سے باخبر اہل نظر میں سے ایک ہیں جنھیں تاریخ اسلام میں صف اول کی شخصیات میں جگہ دی جائے گی۔ انہوں نے اپنے خون جگر میں انگلیاں ڈبو کر اس صدی میں ملت کے آشوب واختلال اور زوال وضلالت پر جو درد انگیز، بیدار کن اور بصیرت افروز تحریریں پیش کیں وہ آج اس قوم کے روشن مستقبل کی ضمانت بن کر جگمگا رہی ہیں۔ برصغیر کی نئی نسلیں اس بشارت وبصیرت سے فیضیاب ہو کر ہزار دشواریوں کے باوجود فکر اسلامی کے غلبہ اور نظام اسلامی کے قیام کے لئے مصروف جہد وپیکار ہیں۔ مولانا صدرالدین کو مشیت نے بے شمار صفات سے نوازا تھا وہ صفات جو ایک انسان کو ملکوتی رفعت، پیغمبرانہ جاہ وجلال اور مومنانہ رعنائی ودلکشی عطا کرتی ہیں۔ ان سطور کے کوتاہ راقم کو جو کچھ شعور حاصل ہوا وہ لکھنؤ یونیورسٹی سے گریجویشن کے بعد رامپور میں ثانوی درسگاہ میں تین بزرگوں کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کرنے کا حاصل تھا مولانا عروج قادری مولانا جلیل احسن ندوی اور مولانا صدرالدین اصلاحی ان میں موخر الذکر کی نگاہ قرآن اور حکمت دین کے فہم وتدبر میں زیادہ دقت رس اور قلم زیادہ توانا اور انداز بیان زیادہ فکر انگیز تھا مولانا صدرالدین اصلاحی سے مجھے اور میرے دوست رشید عثمانی اور حبیب حامد الکاف کو حضرت شاہ ولی اللہ کی معروف تصنیف ''حجۃ اللہ البالغۃ'' نیز قرآن حکیم کے کچھ حصے سبقاً سبقاً پڑھنے کا شرف حاصل ہوا۔ یادش بخیر بدایۃ المجتہد کے چند ابواب بھی اس فہرست میں شامل ہیں۔ اس کی بدولت مختلف مسالک کے سلسلہ میں وسعت نظر، قرآنی مزاج اور دینی ذوق تک رسائی حاصل ہوئی رامپور (مرکز جماعت اسلامی ہند) میں مولانا کے علم وقلم کے ساتھ ان کی باوقار شخصیت ہم لوگوں کے لئے

[illegible] کشش تھی قلندری ودرویشی اور خودداری وسربلندی کا عجیب امتزاج تھا۔ اس وقت یعنی اس صدی کی چھٹی دہائی میں تحریک اسلامی کے کارکنوں کے لئے بے حد کٹھن اور گونا گوں آزمائشوں سے لبریز مراحل سامنے تھے حکومت وقت ہر طرح کے نفسیاتی دباؤ خوف ودہشت اور زنجیر وسلاسل کے ساتھ اسلام کی اقامت اور ملت کے وقار کی گفتگو کرنے والوں کے درپے آزار تھی اور ملک کے حریت پرست علماء اور مسند نشینان مدرسہ وخانقاہ ملک کی نئی صورت حال پر ذہنی انتشار کے شکار اور ماضی قریب میں اپنے طرز عمل کے منطقی نتائج پر جھنجھلاہٹ ومایوسی کی گرفت میں تھے انہیں ملت کی نشاۃ ثانیہ کی بات سننا بھی گوارا نہ تھا خوف ودہشت کا یہ عالم تھا کہ انفرادی حد تک اسلام پر عمل کرنے کی اجازت پر وہ خوش تھے اور اجتماعی زندگی میں سیکولرزم، نیشنلزم اور نامذہبیت کی مدح سرائی ان کا وظیفہ حیات بن گئی تھی۔ وہ جماعت اسلامی جیسی تنظیم کو برداشت کرنے پر تیار نہ تھے۔ کچھ لوگوں نے فتوؤں کے تیر چلانے اور حکومت کے کان بھرنے کا مشغلہ اختیار کر لیا تھا اور مناظرانہ پینترہ بازیوں سے اسلام کی انقلابی روح کو دبانا چاہتے تھے عوام اس سے متاثر ہوتے تھے مگر یونیورسٹیوں کالجوں اور بعض دینی اداروں کے ذی علم نوجوان اس تحریک کے حیات بخش پیغام کی طرف لپک رہے تھے اس زمانہ میں جماعت کے وسائل بے حد محدود تھے اور اس کے راستے پرخار تھے لوگ اپنے گھروں سے روٹیاں لے کر پیدل یا سائیکل کے ذریعہ دور دور کا سفر کر کے حق کا پیغام بندگان خدا تک پہونچا رہے تھے قصبہ قصبہ دارالمطالعہ، اجتماع، درس قرآن اور حیات بخش لٹریچر کی جانفزا ہوائیں چل رہی تھیں اس تحریک کے رہنماؤں میں سے متعدد لوگ بڑی بڑی ملازمتوں کو ٹھوکر مار کر اور اس کے نہایت محدود وسائل پر اکتفا کر کے ہمہ وقتی کارکن بن گئے تھے اور ان کی زندگیوں کو دیکھ کر اسلامی تاریخ کی دور اول کی عظیم انقلابی شخصیتوں کی یاد تازہ ہوتی تھی انہوں نے سد رمق کے طور پر جو معمولی مختانے قبول کئے تھے اس کے لئے کفاف کی اصطلاح مستعمل تھی یعنی ضروریات زندگی کی تکمیل کے علاوہ پائی بھر زیادہ قبول کرنے کے وہ روادار نہ تھے اس صف میں مولانا ابواللیث، مولانا صدرالدین اصلاحی، مولانا حامد علی، مولانا محمد یوسف اور جناب افضل حسین بھی شامل تھے۔ ان سب کا معیار زندگی ایک معمولی مسلمان کے معیار زندگی سے بلند نہ تھا

مگر ان کی دنیا کے فکر و نظر میں مشرق و مغرب کی طنابیں آکر مل رہی تھیں۔ ان بزرگوں کی آنکھوں میں ذکاوت کی چمک پیشانی پر علمی وجاہت کی دمک شخصیت میں شیخین کی سی صلابت اور سادگی اور رفتار و گفتار میں حق کے غلبہ اور دین کے استحکام کا وہ جذبہ وہ خروش جس کی آرزو شاعر مشرق نے ایک مرد مومن کے سلسلہ میں کی تھی:

تڑپ صحن چمن میں آشیاں میں شاخساروں میں — جدا پارے سے ہو سکتی نہیں تقدیر سیمابی
ترے علم و محبت کی نہیں ہے انتہا کوئی — نہیں ہے تجھ سے بڑھ کر ساز فطرت میں نوا کوئی

رامپور میں مولانا کا قیام دس پندرہ سال رہا۔ عمر کی چالیسویں اور پچاسویں منزلیں طے کی۔ جب دیکھئے وہی ایک سیاہ شیروانی وہی ایک ٹوپی وہی معمولی سفید لٹھے کا پاجامہ۔ مگر شیروانی کی بوسیدگی کا اثر ذرہ برابر شخصیت پر نظر نہ آتا بلکہ وقت گذرنے کے ساتھ اس کے بانکپنی اور جاہ و جلال میں اضافہ ہی ہوتا جارہا تھا۔ اس شیروانی کی اوپری سطح نے طویل رفاقت کے بعد جب ساتھ چھوڑنا چاہا تو مولانا نے اسے اس کی اجازت نہ دی اور اس کو ادھڑواکر اندر کے رخ کو باہر لانے اور ان کی فکر کی طرح تر و تازہ بنے رہنے پر مجبور کر دیا اگرچہ بائیں طرف کے کاج داہنی جانب آگئے اور رفو ہو کر اس غریب نواز شیروانی کا خط تقدیر بن کر نمایاں ہو گئے مگر مولانا رامپور کی شاہراہوں سے کبھی گذرتے تو ان کے خسروانہ انداز لوگوں کو حیرت میں ڈال دیتے محسوس ہوتا کوئی فغفور و خاقان ادائے بے نیازی اور شان و تمکنت کے ساتھ محو خرام ہے ان کی علمی وجاہت اور حیرت انگیز قناعت پسندی کو دیکھ کر قتیل کا یہ مصرعہ حقیقت بن کر جلوہ گر ہوتا ہوا محسوس ہوتا

خلقے بجاہ تکیہ زدہ ما زدیم پا

اس معمولی معیار رہن سہن کے باوجود خیالات کی بلندی کا یہ عالم کہ جب محو گفتگو ہوتے تو علم کی کہکشاں ان کی قدم بوسی کرتی اور جب درس قرآن دیتے تو محسوس ہوتا کہ دور اول کا کوئی صاحب نظر دلوں کو سوز و گداز کی سوغات عطا کر رہا ہے۔

چونکہ مجھے کچھ گفتگو مولانا کے اسلوب نگارش پر بھی کرنی ہے اور یہ پرانی بات ہے کہ اسلوب کا فنکار کی شخصیت سے گہرا تعلق ہوتا ہے اس لئے آئندہ مولانا کی تحریروں میں ان کی

شخصیت کے نقوش کی جھلک اور ان کے اسلوب پر ان کی شخصیت کی چھاپ کا جائزہ لینے کے لئے ضروری محسوس ہوا کہ اپنے کچھ مشاہدات بیان کرتا چلوں۔ مولانا صدر الدین مشہور مفسر قرآن اور اپنے علمی انہماک میں شبلی و حالی کو بھی پیچھے چھوڑنے والی شخصیت مولانا حمید الدین فراہیؒ کے قائم کردہ مرکز علم و تحقیق مدرسۃ الاصلاح (سرائے میر اعظم گڑھ) کے تعلیم یافتہ تھے ان کی جودت طبع اور فکر بلند کا یہ عالم تھا کہ عہد طالب علمی ہی میں ایک علمی مقالہ بعنوان "مسلمان اور امامت کبریٰ" تحریر کیا جسے مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کے مشہور زمانہ علمی رسالہ ترجمان القرآن میں جگہ ملی۔ ابتدائی مراحل ہی میں انھیں حضرت شاہ ولی اللہ کی فکر اور ان کے تجدیدی کارناموں سے بے حد ذہنی قرب تھا اور ان کی تحریروں کا اردو میں ترجمہ بھی کیا ان کا یہی شوق احیائے امت انھیں مدرسۃ الاصلاح سے دارالاسلام پٹھانکوٹ لے گیا جہاں مولانا مودودی کی رفاقت میں کچھ دن گذارے پھر تحریک اسلامی کے قیام کے بعد اس سے ایسا فکری و ذہنی رہنمائی کا تعلق قائم رکھا اور اپنے خون جگر سے اس کی آبیاری کرتے رہے اپنی تمام تر صلاحیتوں کو ہر طرف کی کشش سے بے نیاز ہو کر اقامت حق کی نذر کر دیا۔ کفاف پر گذر بسر کرنے والے اس خسرو مملکت علم و تحقیق کے دستر خوان کی شان سے یہ چشم دید گواہ بھی واقف ہے۔ مجھ سے زیادہ بے تکلفی سے جناب محمد مسلم صاحب سابق مدیر دعوت نے ان بزرگوں کے اس عہد کے احوال پر روشنی ڈالی ہے۔ مسلم صاحب خاکسار تحریک کی سادگی و [illegible] پسندی کے سانچے میں ڈھلے ہوئے تھے اور اس معاملہ میں مسلمانوں کے قائدین کے [illegible]یات سے مطمئن نہ تھے لیکن قاید تحریک اسلامی کی میزبانی کے بعد ان پر یہ راز منکشف ہوا کہ ایثار و قربانی کی داستاں عصر حاضر میں خاکسار تحریک پر ختم نہیں ہوئی ہے بلکہ

ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں

آج انھیں بزرگوں کی قربانیوں کے فیض سے تحریک اسلامی ایک ایسے سایہ دار درخت کی مانند ہے جس کے گھنے سایہ میں ملت کو الحاد و اباحیت کی آتشیں دھوپ سے نجات حاصل ہوئی ہے۔

مولانا صدر الدین اصلاحیؒ کے اسلوب تحریر کا خمیر ان کی شخصیت کے گداز ان کی

دنیا اور اسباب دنیا سے بے نیازی، ان کی خودنگری، وخودداری اور اعلیٰ مقاصد سے ان کا قلبی تعلق اور بے لوث ربط سے تیار ہوا ہے۔ بقول شخصے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے کوئی درخت صحرا کی اداسیوں میں آتش زیر پا ہے اور اس کے چلنے اور چٹخنے کی آواز دور دور جاری ہے اسرائیلی پیغمبروں کا سا سطوت وجلال خطیبانہ بلند آہنگی اور خود اعتمادی ترکی خلافت کا خاتمہ اور مصطفیٰ کمال کی مغرب زدگی واسلام دشمنی ایران وعراق شام و حجاز افریقہ کے صحراؤں میں انگریزوں کی فتنہ سامانیاں، مسلمانوں کا عالمگیر انحطاط، اس وقت درد مند ملت کی آنکھ نم تھی۔ اقبال کی نظم خضر راہ میں جو درد پنہاں تھا وہی اس عہد کے خطیبوں اور نثر نگاروں کی صدائے خارہ شگاف میں بھی جلوہ گر تھا۔

لے گئے تثلیث کے فرزند میراث خلیل　　　خشت بنیاد کلیسا بن گئی خاک حجاز
ہوگئی رسوا زمانہ میں کلاہ لالہ رنگ　　　جو سراپا ناز تھے ہیں آج مجبور نیاز
حکمت مغرب سے ملت کی یہ کیفیت ہوئی　　　ٹکڑے ٹکڑے جس طرح سونے کو کردیتا ہے گاز

دنیا کی امامت وقیادت سے محروم کردئے جانے پر ہر حساس مومن متفکر تھا۔ حالی، ابوالکلام، آزاد، شبلی، سلیمان ندوی، عبدالماجد دریابادی، اور ابوالاعلیٰ مودودی سب کے دلوں میں یہی تمنا اور طلب تھی:

وارد کوئی ڈھونڈ اس کی پریشاں نظری کا

مولانا صدرالدین نے عین اسی اضطراب وافسردگی کے ماحول میں قلم ہاتھ میں لیا اور قرآن حکیم کی مدد سے فلسفہ عروج وزوال کو سمجھنے اور حضرت شاہ ولی اللہ کی حکمت بالغہ کے ناخن سے اس گرہ کو کھولنے کی کوشش کی۔ مولانا کا ۱۹۳۷ء کا اسی رتبہ کا مضمون جس پر مولانا محمد علی جوہر کا ۱۹۱۵ء کا مشہور مضمون Choice of the Turks فائز تھا "مسلمان اور امامت کبریٰ" کے عنوان سے منظر عام پر آیا اس سے مولانا کے ابتدائی عہد کے اسلوب، ان کی فکر اور ان کی شخصیت تینوں کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے، اسی بنیاد پر آگے چل کر ان کے فکر وفن کی پوری عمارت تعمیر ہوئی، اس عہد میں اردو نثر میں رومانی نثر نگاروں کو بے حد مقبولیت حاصل تھی مولانا آزاد، سجاد حیدر یلدرم قاضی عبدالغفار، نیاز فتحپوری اور مجنوں گورکھپوری، سب

رومانیت کے شیدائی تھے لیکن وقت کا تقاضا تھا کہ سائنٹفک نثر میں کلام کیا جائے جو اس دور تعقل کے تقاضوں کو پورا کر سکے جذباتی نثر تصورات کی دنیا میں پرواز کی دعوت دیتی ہے اور سحریت کی رنگین فضاؤں کی سیر کراتی ہے۔ یہ ہم پر غنودگی طاری کرتی ہے اور خوابوں کے جزیروں میں پناہ لینے کی ترغیب دیتی ہے۔ ایسی نثر پر ہم سبحان اللہ اور واہ واہ کے نعرے تو بلند کرتے ہیں لیکن ہماری سمجھ میں کچھ نہیں آتا کہ الفاظ کی رنگینی اور شعبدوں کے پیچھے لکھنے والے کا مدعا کیا ہے۔ ایسی نثر میں بے معنی تکرار اور بے وجہ طوالت ہوتی ہے یہ داستانوں کی طرح وقت گذاری اور دل بہلانے کا فقط ایک وسیلہ بن کر رہ جاتی ہے بیسویں صدی کے ہوش ربا تعقل میں اس طرح کی نثر کا گذر کیوں کر ہوسکتا ہے چنانچہ مجنوں گورکھپوری کی ڈائری اور لیلیٰ کے خطوط لکھنے والے قوم وملک کی اہم ضروریات کی تکمیل اپنی قدرت اظہار کے باوجود نہ کرسکے اور ان کی کاوشوں کی یہی کیفیت ہوئی۔

خوش درخشید ولے شعلہ مستعجل بود

اسی عہد میں مولانا صدرالدینؒ اپنے دیگر بزرگ معاصرین کی طرح اپنی نثر کی دنیا میں حکمت ومعرفت کا چراغ روشن کرتے ہیں۔ ان کا انداز گفتگو دوٹوک ہوتا ہے اور شاعرانہ نثر سے دور رہتے ہوئے بھی وضاحت وبلاغت کے جوہر سے ان کی عبارت معمور ہوتی ہے۔ الفاظ کی دروبست سے وہ پوری طرح آگاہ اور ایک طاقتور نثر لکھنے پر پوری طرح قادر ہیں مگر کبھی بھی الفاظ کی بھول بھلیوں میں وہ اپنے قاری کو بھٹکانا نہیں چاہتے۔ خلافت الٰہی کے منصب عظیم کی حکایت ان کی زبان سے سنئے:

"انسانی شرف ومجد کا راز یہ ہے کہ وہ اللہ کی زمین پر اس کا خلیفہ ہے۔ خلافت الٰہی کا تاج اس کے سر پر ابتدائے آفرینش ہی میں رکھ دیا گیا تھا تاکہ وہ خدا کی زمین پر اس کے احکامات کا نفاذ کرے۔"

"جب خدائی مشیت وحکمت کسی قوم کو نوازنا چاہتی ہے تو اس کے سروں پر اس مقدس تاج کو رکھ دیتی ہے جس سے جمال انسانیت کی شعاعیں چھن چھن کر دنیا سے ظلمت کو مٹاتی اور انسانی سعادت کی راہیں دکھلاتی رہتی ہیں۔"

ابتدائی عہد کی نثر میں آرائش کلام کی طرف شعوری جھکاؤ محسوس ہوتا ہے جو بعد میں فطری سادگی اور بے تکلف لہجہ میں تبدیل ہوگیا خیر الامم کی بعثت کا ذکر ایسی دلکش عبارت میں کرتے ہیں کہ شبلی کے ظہور قدسی کی سطور اور الہلال کے صفحات پر مولانا آزاد کی عبارت آرائی یاد آجاتی ہیں۔ ملاحظہ ہو:

''دین الٰہی کے قصر مشید کی بنا وادی غیر ذی زرع میں خلیل اللہ نے ڈالی تھی اس پر تعمیر و تخریب کے نہ جانے کتنے دور گذرے لیکن مشیت ایزدی کے نزدیک اس کی تکمیل ضروری قرار پاچکی تھی بالآخر وہ وقت آیا کہ اس ایوان کی آخری اینٹ رکھ دی گئی جس کے بعد اس کا کوئی گوشہ نامکمل باقی نہ رہا۔۔۔۔۔۔۔۔ یعنی جو آفتاب جمال سینا اور شعیر سے طلوع ہوا تھا وہ بلند ہو کر اپنی پوری تابانیوں اور ضیا گستریوں کے ساتھ فاران کی چوٹی پر چمکا''

''فطرت نے اپنے چہرہ سے یکسر نقاب الٹ دی کیوں کہ عقل اپنے مرکز ارتقاء پر پہونچ کر اس کی جوہر شناس اور راز دار بننے کے قابل ہو چکی تھی اور عدل وقسط جو اس کا جوہر اور قوام ہے بغیر کسی آمیزش اور بغیر کسی خارجی تاثر اور انفعال کے پورے جمال کے ساتھ دنیا کے سامنے چمک اٹھا تھا۔'' (مسلمان اور امامت کبریٰ'' ص ۸)

اہل کتاب کے زوال و گم گشتگی اور خدا کی طرف سے ان پر لعنت مسلط ہونے کا تذکرہ ان الفاظ میں کرتے ہیں:

''اس وقت وہ شریعت جو پوری امت کے رگ و ریشہ میں وحدت کا شمار پیدا کرنے آئی تھی خود ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتی ہے اور اس کے پیروجن کا خدا اور معبود ایک ہوتا ہے جن کا پیغمبر اور ہادی ایک ہوتا ہے جن کی کتاب اور شریعت ایک ہوتی ہے خود شریعت ہی کے نام پر مختلف راہیں اختیار کر لیتے ہیں۔''

پھر مولانا ملت اسلامیہ کے زوال و محرومی کے اسباب پر روشنی ڈالتے ہیں تو ایک حکیم فرزانہ کی طرح ان کا ایک ایک لفظ دل میں اتر جاتا ہے:

''کتمان حق اور اکل حرام آج مسلمانوں کا خاص شیوہ ہے وہ دنیا کا عاشق اور جان و مال کا شیدا ہو گیا ہے اس کی روح شوق شہادت سے بے کیف، تمنائے حیات سرمدی کے نور سے بے بہرہ اور جبین کراہیت موت کی غلاظتوں سے اٹی ہوئی ہے وہ غیروں کے سایہ کو غنیمت سمجھتا اور غلامی کی زندگی میں مگن ہے انفاق و جہاد کا نام سن کر لرزہ براندام ہو جاتا ہے''۔

''جن علمی اور عملی گمراہیوں نے یہود کو بے تخت و تاج کیا تھا بے کم وکاست انھیں خرابیوں نے مسلمانوں سے زمام خلافت چھین لی ہے یہی سنت الٰہیہ کا اصول ہے جسے وہ ابتدائے آفرینش سے اب تک عالم اسباب میں چلاتی رہی ہے اور قیامت تک چلائے گی۔

مولانا اپنی نثر میں صرف مسائل حاضرہ کی نقش گری نہیں کرتے بلکہ ان مسائل کی گرہوں کو بھی کھولتے ہیں تحلیل و تجزیہ پر بھی انھیں قدرت ہے اور ان کی بصیرت بصارت قاری کو مشکلات کے جنگل سے باہر نکالنے پر بھی قدرت رکھتی ہے لکھتے ہیں:

''اسلام کے دردمندوں کو چاہئے کہ ان فتنوں کے مقابلہ کے لئے خانقاہوں اور مدرسوں کے حجروں سے باہر نکلیں امت کی شیرازہ بندی اور قوم کی مکمل تنظیم کا ہر ممکن طریقہ اختیار کریں اور ان مفاسد کا پہلے سدباب کریں جو اختلاف و نزاع کے جراثیم پیدا کر کے وحدت امت کو ٹکڑے ٹکڑے کر رہے ہیں۔۔۔۔ ظاہر ہے اتنے عظیم الشان انقلاب کا مطلب قوم کو بالکل نئے سانچے میں ڈھالنا ہوگا جس کے لئے کافی غور و فکر کے ساتھ کافی حزم و احتیاط اور عزیمت و استقلال کی ضرورت ہوگی۔''

مولانا عربی زبان و ادب کے ایک ممتاز اسکالر ہیں جو ان کی رگ و پے میں رچی بسی ہے مگر انہوں نے اظہار خیال کے لئے اپنی مادری زبان اردو کو منتخب کیا ہے اور اردو نثر کے سب سے زیادہ کارکشا، مقبول عام اور دلکش اسلوب میں اپنی بات پیش کرتے ہیں وہ اسلوب جو میر امن ور جب علی بیگ سرور سے غالب سرسید، حالی، شبلی اور آزاد تک ترقی کی مختلف منزلیں طے کرتا ہوا اس صدی کے وسط تک نکھر کر سامنے آیا تھا مگر ان کے اس رواں خوش آہنگ اور سلیس اسلوب کی جوئے سبک سیر میں کبھی کبھی عربی کے بھاری بھرکم اور

نامانوس الفاظ کے سنگ گراں بہتے تیرتے اور لڑھکتے نظر آتے ہیں اور جی چاہتا ہے کہ کاش مولانا ان کا کوئی ہلکا پھلکا متبادل ڈھونڈ لیتے:

''خدانے بیت اقدس سے توجہ ہٹا کر بیت حرام کو اپنی اتمامی نعمتوں کا مہبط قرار دیا ہے۔''

''سنت الٰہی برابر نااہل و ناکارہ قوم کو ذلت و لعنت کے حضیض میں ڈھکیلتی رہی ہے۔''

''اقوام ضالہ کی داستان مغضوبیت اس کے سامنے تھی۔'' وغیرہ

بعد میں مولانا کی تحریروں میں یہ عیب برقرار نہ رہا جب انہوں نے اپنا مخاطب عربی درسگاہوں کے فارغین کے بجائے پوری امت کو سمجھنا شروع کیا اور تحریک اقامت دین کے توسط سے ان کی مخاطب پوری امت مسلمہ ہوگئی۔

مولانا صدرالدین اصلاحی نے اپنی پختگی فکر و نظر کے دور عروج میں اسلام کے عہد حاضر کے فکری سرمایہ میں گراں قدر اضافہ کرنے والی کتابیں لکھیں ان کی ایک مایہ ناز تصنیف ''دین کا قرآنی تصور'' ان کے آخری دور کے اسلوب کے مطالعہ کے لئے کافی ہے اس عہد میں ان کی تحریر منجھ کر رواں شستہ اور عام فہم ہوگئی تھی اس میں سرسید احمد خاں و حالی کی سلاست اور سادگی اور تعقل پسندی بھی تھی اور شبلی و ابوالکلام کی خطابت، شعریت، شوکت وحشمت اور جاہ و جلال بھی تھا مولانا چونکہ ادیب و انشاء پرداز سے زیادہ داعی حق کے منصب کی ذمہ داریوں کو ادا کرنے کے مشتاق تھے اور ہر خاص و عام تک اپنی بات وضاحت کے ساتھ پہونچانا ضروری تصور کرتے تھے چنانچہ دین کے قرآنی تصور جیسے حکیمانہ اور داعیانہ موضوع پر قلم اٹھاتے ہوئے وہ ہر طرح کی بے جا آرائش و ابہام سے دامن بچاتے ہیں مگر خشک منطقیت اور واعظانہ بے کیفی سے بھی گریزاں ہیں۔ عشق الٰہی پر مبنی تصور دین سے پیدا ہونے والی بے راہ روی اور قرآن کے تصور دین سے اس کے تصادم کا جائزہ لیتے ہوئے مولانا اپنی بات ٹھوس دلائل اور تاریخی و قرآنی حوالوں کے ساتھ واضح کرتے ہیں تمثیل و تشبیہ و استعارہ کی جلوہ گری کے بغیر ان کی پرزور نثر اپنے اندر غیر معمولی کشش رکھتی ہے۔

مولانا کے نزدیک عشق کی بارگاہ میں عقل و دانش کی رسائی نہیں ہوتی اور یہ انسان کو اجتماعیت سے گریزاں اور انفرادیت پسند بنا دیتا ہے ساتھ ہی انسان کے اندر غیر معمولی عدم توازن اور انتہا پسندی پیدا کرتا ہے مولانا رقم طراز ہیں:

''سلطان عشق کے تسلط کے بعد انسان کے اندر سے توازن اور اعتدال پسندی کا خاتمہ ہو جاتا ہے اس کی باگیں ایسے جوش جنوں کے ہاتھوں میں ہوتی ہیں جو ساری اعتدال پسندی کو آگ لگا دینے والا ہوتا ہے'' (دین کا قرآنی تصور ۱۹۹۶ء ص ۱۲۷)

مولانا اپنی سنجیدہ اور حکیمانہ نثر میں زوردار اثر پیدا کرنے کے لئے ہلکی پھلکی ظرافت کا بھی سہارا لیتے ہیں دین کے عشقی تصور کے خدوخال پر گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''یہ اگر علم سفینہ نہیں تھا تو کم از کم علم سینہ ہی ہوتا تب بھی اس سلسلہ میں کچھ کامیابی ہوتی مگر دشواری یہ ہے کہ یہ علم سینہ بھی نہیں بلکہ محض ''احساس سینہ'' ہے اور احساس سینہ کا معاملہ یہ ہے کہ اسے واضح و متعین اور منضبط لفظوں میں کسی طرح بیان نہیں کیا جا سکتا۔ پھر ایک مشکل یہ بھی ہے کہ سینوں کے محسوسات اور دلوں کے جذبات یکساں نہیں ہوتے اس لئے جس تصور دین کا سرچشمہ سینوں کا کوئی احساس اور دلوں کا کوئی جذبہ ہو اس کی حقیقت اور عملی شکل بھی یکساں اور متفق علیہ نہیں ہو سکتی۔''

مولانا اپنی عبارت میں حسب ضرورت شعر کا بھی سہارا لیتے ہیں وحدت ادیان پر گفتگو میں ان کی ادبی حس زیادہ بیدار ہو جاتی ہے مولانا کے نزدیک وحدت ادیان کی کشت مغل بادشاہ اکبر کے بعد ۱۹۴۷ء کی صبح آزادی طلوع ہونے پر دوبارہ سرسبز و شاداب ہوئی جب کہ ''دیکھتے ہی دیکھتے'' ''وسیع النظری'' کا یہ طلسم ہوشربا عام ذہنوں پر تیزی کے ساتھ چھا گیا۔ اب حال یہ ہے کہ جہاں دیکھئے اس کے اسیر و قتیل موجود ہیں'' مولانا نے اس ضمن میں جس طرح کے اشعار کا سہارا لیا جاتا ہے اس کا حوالہ دیا ہے:

تم رام کہو وہ رحیم کہیں دونوں کی غرض اللہ سے ہے
تم دین کہو وہ دھرم کہیں منشاء تو اسی کی راہ سے ہے
کیوں لڑتا ہے مورکھ بندے یہ تیری خام خیالی ہے
ہے پیڑ کی جڑ تو ایک وہی ہر مذہب اک اک ڈالی ہے

تکبیر کا جو کچھ مطلب ہے ناقوس کا بھی منشاء ہے وہی
تم جن کو نمازیں کہتے ہو ہندو کے لئے پوجا ہے وہی

اپنی اسی عبارت میں مولانا فارسی کے چند اشعار بھی نقل کرتے ہیں جو نفس موضوع کو وضاحت کے لئے بے حد موزوں اور برمحل ہیں۔

در حیرتم کہ دشمن کفر و دیں چرا است — از یک چراغ کعبہ و بت خانہ روشن است
مسلمان گر بدانستے کہ بت چیست — یقیں کردے کہ دیں در بت پرستیست
اگر کافر زبت آگاہ گشتے — یکے از سالکان راہ گشتے

اس طرح کے اشعار مولانا کے نزدیک محض شاعرانہ ہفوات نہیں ہو سکتے اس لئے کہ انھیں اچھے خاصے بزرگوں نے لکھا ہے اور ایک خاص دینی فلسفہ کے ترجمان ہیں مولانا کبھی مجسم سوال اور کبھی مجسم جواب بن جاتے ہیں اور کبھی طنز کا نشتر چلاتے پھر مرہم کی فکر کرتے ہیں عشق الٰہی کے تصور دین پر انھیں حیرت ہے کہ صرف دنیاداری اس کے قتیل نہیں جنھیں اکثر دینداری کے ایسے نسخوں کی تلاش رہا کرتی ہے جس کے طفیل رند کا رند بنے رہنے کی راہ کھلی رہے ساتھ ہی یہ تسلی بھی رکھی جا سکے کہ جنت ہاتھ سے نہ جانے پائے۔ مولانا رقم طراز ہیں:

''مشکل تو یہ ہے کہ ان غیر قرآنی افکار و اعمال کو پوری عقیدت کے ساتھ اختیار کئے ہوئے کثرت سے ایسے لوگ بھی دکھائی دیتے ہیں جن پر اس طرح کی کسی مفاد پرستی دنیاداری اور نفسانیت کا الزام لگایا جانا ممکن ہی نہیں۔ یہ ایسے اونچے اونچے حضرات ہیں جن کی بے نفسی کی قسمیں کھائی جا سکتی ہیں جن کی بلندیوں تک نفسانیت کا غبار اڑ کر پہونچ ہی نہیں سکتا تھا۔''

مولانا عشق حقیقی کا سلسلہ عشق مجازی سے استوار کرنے والے بزرگوں کی سعی نامسعود کا ذکر کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''یہ یقیناً اسی تصور دین سے متاثر ہونے کا ایک بھونڈا اور انتہائی ناروا مظاہرہ تھا کہ بہت سے لوگوں کے نزدیک عشق مجازی بھی ایک دینی کام بن گیا اور محبت الٰہی کے حصول کا زینہ اور ذریعہ قرار پا گیا۔''

مولانا کی تحریروں میں طنز کا ہلکا نشتر ہر جگہ چلتا ہے مگر کبھی کبھی یہ رگ جاں سے قریب پہونچ جاتا ہے:

''ہم پر اگر بزرگان دین کا یہ حق ہے کہ ہم ان کا احترام کریں اور ان سے محبت و عقیدت رکھیں تو اللہ کے دین اور اس کی کتاب کا بھی کچھ حق ہے۔''

''آج اچھے مسلمان اور علمائے حق یقیناً صرف وہ لوگ ہیں جو انھیں بزرگوں کی طرح سیاسی جھنجھٹ سے الگ تھلگ رہ کر یاد حق اور وعظ خلق میں لگے ہوئے ہیں اور جو لوگ قال اللہ وقال الرسول کہتے ہوئے ان معاملات میں بھی ٹانگ اڑاتے ہیں وہ شر پسند مسلمان ہیں''۔''اس (جاہلانہ) نظام کی بیخ کنی اور نظام خلافت کی ٹھیک ٹھیک اقامت جس پر یہ امت مامور ہے صرف ایسے ہی افراد کے ہاتھوں ممکن ہے جو مخلص صالح اور خدا ترس ہوں۔ لیکن دین داری کے اس ذوق نے جو تصور عشق کا پیدا کیا ہوا تھا ایسے افراد کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر گوشوں میں لے جا کر بٹھا دیا جہاں انھیں یاد ہی نہیں رہ گیا کہ وہ اس دنیا میں خلافت جیسے عظیم منصب پر مامور کر کے بھیجے گئے ہیں۔''

مولانا اپنی تحریروں میں انتہا پسندی اور مبالغہ آرائی سے حتی الامکان گریز کرتے ہیں اور ہر علمی مسئلہ میں توازن کی راہ اختیار کرتے ہیں وہ اپنے الفاظ سے بندوق کی گولی کا کام لینے کے بجائے جراح کے نشتر جیسا کام لیتے ہیں اپنی تصنیف ''دین کا قرآنی تصور'' میں تصور عشق کا اثر و نفوذ اور اس سے امت کے تصور دین میں جو انحراف پیدا ہوا اس کے لئے تصوف جس قدر ذمہ دار ہے اس کا جائزہ لینے کے بعد لکھتے ہیں:

''لیکن اس کے باوجود یہ خیال کر لینا صحیح نہ ہوگا کہ تصوف لازماً تصور عشق ہی کی تلقین کرتا ہے یا اس تصور کو ہمارے بھی حضرات صوفیائے کرام نے شعوری طور پر پوری طرح قبول کر رکھا ہے بلاشبہ تصوف کے حلقوں میں ایسی باتیں بڑی کثرت سے کہی گئی ہیں جنھیں قرآن کریم قبول نہیں کرتا اور [illegible] تصور عشق ہی سے ہم آہنگی رکھتی ہیں لیکن یہ امر واقعی کا صرف

ایک رخ ہے دوسرا رخ اس کا یہ ہے کہ ان حلقوں میں ایسے لوگوں کی بھی کمی نہیں جو قرآن وسنت کی پیروی ہی میں حق کو محصور یقین کرتے ہیں۔"

"تصوف کی دنیا میں جہاں ایک طرف تصور عشق کی زبان بولتی سنائی دیتی ہے وہیں دوسری طرف قرآنی تصور دین کی کارفرمائی بھی دیکھی جا سکتی ہے۔"

مولانا کی نثر میں بلاغت وفصاحت کے جلوے بکھرے ہوئے ہیں وہ ترغیب و ترہیب انذار وتبشیر اور تنقید وتنقیح کی ذمہ داریاں حتی الامکان ادا کرتے ہیں اور قاری کے دل ودماغ میں اپنا نقطہ نظر اتارنے کی کوشش کرتے ہیں ان کی عبارت کہیں جھلک نہیں ہوتی ان کی نثر میں بھی شبلی کی طرح تاثر انگیزی اور مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کی تحریروں کی طرح حرکت وانقلاب پیدا کرنے کی غیر معمولی صلاحیت موجود ہے۔اس طرح کے ٹکڑے ہر صفحہ پر ملتے ہیں جو ایک اعلیٰ درجہ کے حکیمانہ ذہن کے آفریدہ ہیں وہ ذہن وقلب جو اس ماحول میں ایک ہمہ گیر اور عظیم انقلاب کا خواب دیکھ رہا ہے اور جو پیغمبرانہ اور مجددانہ تیور کے ساتھ اپنی غافل قوم کو مخاطب کرنا چاہتا ہے:

"اگر فکر وعمل کی یہ تبدیلی واقع نہ ہوگئی ہوتی تو یقین رکھئے کہ حق وصداقت کی تاریخ آج کچھ اور ہی ہوتی ان باخدا اصحاب کی بے نفسی ان کی آخرت طلبی ان کی خداترسی ان کی دینی روح اگر پورے احساس فرض کے ساتھ اس محاذ پر بھی سرگرم رہا کرتی تو شیطان کو یوں داد فرمانروائی دینے کے لئے میدان خالی نہ مل سکتا اور اسلام آج اپنے کروڑوں پیروؤں کے ہوتے ہوئے اس طرح غریب واجنبی مظلوم ومحکوم بن کر نہ رہ گیا ہوتا چنانچہ تاریخ بتاتی ہے کہ امت کے ان بلند پایہ افراد میں سے جن لوگوں کو بھی اس طرف توجہ ہوئی انہوں نے الحاد وکفر کے ایوانوں میں زلزلہ پیدا کردیا گوالیار کا قلعہ اور بالاکوٹ کا میدان یقیناً ایسے مقامات ہیں جہاں ہندوستان میں اسلام کی شجر طیبہ کو بڑی تازگی ملی تھی۔"

"موجودہ دور کا سب سے زیادہ روادار سیاسی نظریہ اپنے سب سے بہتر مفہوم میں سیکولرزم کا رویہ ہے لیکن اس کا بھی حال یہ ہے کہ اپنی تمام تر رواداریوں کے باوجود اتنا مخالف اسلام پھر بھی ہے کہ زندگی کے اجتماعی مسائل میں اس کے لئے کوئی جگہ نہیں چھوڑتا اس لئے کسی کو اگر قرآن اور اسلام کی صحیح پیروی کرنی ہے تو اس جیسے نظریہ کو بھی لازماً غلط قرار دینا ہوگا ورنہ اس کے لئے قرآن کی پیروی کا حق ادا کر سکنے کا خواب خواب ہی رہ جائے گا لیکن اس نظریہ کی مقبولیت وطاقت کا عالم یہ ہے کہ وہ آج کلمہ جامع اور کلمہ سوا بنا ہوا ہے مشرق و مغرب بھی اس کے ثنا خواں ہیں اس کی نام نہاد معقولیت اہل دنیا اور ارباب سیاست ہی سے نہیں اہل دنیا سے بھی خراج عقیدت وصول کر رہی ہے ایسی بے پناہ طاقت رکھنے والے نظریہ کی تردید یقیناً دیوانگی ہی کہلائے گی لیکن نہ بھولئے کہ دین خدا کی پیروی کا حق جب بھی ادا ہوا ہے دیوانوں ہی سے ادا ہوا ہے فرزانوں کو یہ توفیق کبھی نہیں ملی ہے (دین کا قرآنی تصور ص ۲۶۰)

حضرت شاہ ولی اللہ کے بارے میں مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ اپنے ایک مکتوب میں شاہ محمد عبدالرحمن انصار کو ۱۹ر فروری ۱۹۶۸ء کو لکھتے ہیں:

"شاہ صاحب تاریخ انسان کے ان لیڈروں میں ہیں جو خیالات کے الجھے ہوئے جنگل کو صاف کر کے فکر ونظر کی ایک صاف سیدھی شاہراہ بناتے ہیں اور ذہن کی دنیا میں حاضر وموجود کے خلاف ایسی بے چینی اور تعمیر نو کا ایسا نقشہ پیدا کرتے ہیں جس کی وجہ سے ناگزیر طور پر تخریب فاسد اور تعمیر صالح کے لئے ایک تحریک اٹھتی ہے وہ تنقید سے صدہا برس کی جمی ہوئی غلط فہمیوں کا غبار چھانٹ دیتے ہیں اذہان میں نئی روشنی پیدا کر دیتے ہیں اور زندگی کے بگڑے ہوئے مگر پختہ بنے ہوئے سانچے کو عالم ذہنی میں توڑ دیتے ہیں اور اس کے ملبہ سے اصلی اور پائیدار حقیقتوں کو نکال کر دنیا کے سامنے رکھ دیتے ہیں" (مکاتیب سید ابوالاعلیٰ مودودی حصہ اول مکتبہ ذکری رامپور ص ۲۳۲)

یہی وہ مشن تھا جسے دو سو سال بعد حمید الدین فراہیؒ، سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ،

صدرالدین اصلاحیؒ اور دیگر حکمائے اسلام نے انجام دیا البتہ اس وقت جاہلیت دوسرے لبادہ میں جلوہ گر تھی اور یلغار مغرب کی طرف سے نئے گمراہ کن خیالات ونظریات کی شکل میں ہورہی تھی شاہ صاحب نے جاہل حکومت اور اسلامی حکومت کے فرق کو نمایاں کیا تھا اور امراء وحکمران طبقہ کی پیروی سے توجہ ہٹا کر ملت کو اپنے اندر خود اعتمادی حق شناسی اور دینی سرچشموں سے براہ راست سیراب ہوکر اور نئی توانائی کے ساتھ تسخیر کائنات کے لئے آگے بڑھنے کا درس دیا تھا۔ مولانا صدرالدین اصلاحی بھی شاہ صاحب کی طرح اپنی تحریروں میں نئی جاہلیت کے خلاف شمشیر برہنہ نظر آتے ہیں اکبرو اقبال نے شعر کے ذریعہ جو کام کیا تھا وہی کام مولانا نے نثر کے ذریعہ انجام دیا۔ ان کی عبارت میں پہاڑی ندی جیسا زوروشور ہے ان کے استدلالی انداز اور کبھی کبھی خطیبانہ لہجہ سے ان کی عبارت مزید دھاردار ہوجاتی ہے ۱۹۵۱ء میں ان کے ایک مطبوعہ مضمون ''نظام جاہلیت سے تعاون'' کے چند اقتباسات اس کے گواہ ہیں۔ قدم قدم پر بلیغ حکیمانہ اور جامع جملے دامن دل کو کھینچتے اور ذہن کو شاداب کرتے ہیں:

''اسلام صرف عقائد وعبادات کا نام نہیں ہے بلکہ اس کی وسعتوں میں پوری حیات انسانی بلکہ ساری کائنات سمائی ہوئی ہے وہ ایک جامع دستور اور مکمل ضابطہ حیات ہے۔''

''وہ (اسلام) انسان کی پوری زندگی پر بلاشرکت غیرے فرمانروائی کرنا چاہتا ہے اس کی کلیت پسندی پر کوئی جمہوریت کا دلدادہ اگر احتجاج کرنا چاہتا ہے تو کرے مگر وہ یہ نہیں کہہ سکتا کہ حقیقت اسلام کی یہ صحیح ترجمانی نہیں ہے۔''

''یہ ممکن نہیں کہ ایک مومن کسی بھی نظام جاہلی سے سکون قلب کے ساتھ تعاون کرسکے۔ ایک ہی سانس میں وہ اسلام کا نمائندہ اور علمبردار بھی ہو اور اس کے حریف کا خیمہ بردار بھی۔''

ہمیں یہ بتایا گیا ہے کہ منکر سے رکنا ہی نہیں بلکہ روکنا بھی ایمان کا لازمہ ہے اور اس کے مٹادینے کے جذبہ بے قرار سے خالی ہوجانا مرگ ایمانی کا نشان اور اس کی طرف بلانا منافقین کا خاصہ ہے۔''

''مسلمانوں کی معاشی فلاح وترقی کو قومی پالیسی ٹھہرالیا گیا تو اس کا

صرف ایک ہی نتیجہ برآمد ہوگا اور وہ یہ کہ پوری قوم ان ہی معاشی مجبوریوں اور مصلحتوں کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنالے گی اور جس شجر خبیث کی بیخ کنی اس کی زندگی کا فریضہ ومقصد تھا اس کی حفاظت وآبیاری کی خدمتیں انجام دینے میں اس کی نسلوں پر نسلیں بیتتی جائیں گی یہاں تک کہ نظام اسلامی کا قیام اس کے لئے ایک لفظ بے معنی ہوکر رہ جائے گا۔''

''غلامی ومحکومی صرف ایک برائی ہی نہیں بلکہ بیشمار برائیوں کا سرچشمہ ہے جسموں کے غلامی پر جب ایک طویل دور گذر جاتا ہے تو غالب اقتدار نئے ہتھیاروں سے مسلح ہوکر دماغوں پر حملہ آور ہوتا ہے اور رفتہ رفتہ فکری غلامی کا بھی آغاز ہوجاتا ہے۔ اس وقت ذہنیتیں منقلب ہوتی ہیں نقطہ ہائے نظر بدل جاتے ہیں ضمیر کے احساسات فاسد ہوجاتے ہیں اور خوب ناخوب کا معیار الٹ کر رہ جاتا ہے یہ قدرت کا ایک قانون ہے جس سے مسلمان بھی مستثنیٰ نہیں۔''

''یہ کسی قوم کی انتہائی بدقسمتی ہے کہ جو لوگ اس کے کمر پٹے پکڑ کر اس کو حضیض جاہلیت کی طرف جانے سے روکنے پر مامور ہوں وہ بھی اس کی آوارہ روی میں اوروں کے ہم رکاب ہوجائیں۔''

''اس رمز سے ناواقف نہیں ہونا چاہئے کہ مفاد مسلمین کا حقیقی تحفظ مفاد اسلام کے تحفظ ہی میں پوشیدہ ہے اگرچہ ابتداء میں عارضی نتائج اس کے خلاف ہی کیوں نہ نظر آئیں۔''

''ان پر کیا مصیبت آئی ہے جو بے دینی کا یہ علم اپنے ہاتھوں اٹھانے کے لئے وہ (علماء حاضر) بے قرار ہیں اسلام قرآن اللہ اور رسول کا ان پر کم از کم اتنا تو حق ہے ہی کہ وہ اپنے عمل سے ان حرکتوں کو سند تقدیس نہ عطا فرمائیں جن کو خدا بیزاری کا طوفان جنم دے رہا ہے یہ لوگ تو عالم اسباب میں اسلام کی آخری پناہ گاہ ہیں اگر ان کے دربار سے بھی اس غریب کو روکھا جواب مل گیا تو اب وہ اپنا حال زار کسے سنانے جائے گا۔''

''یہ بزرگ یاد رکھیں کہ نظام حکومت وسیاست کی حدود اب قریب قریب وہاں پہونچ کر ختم ہوتی ہے جہاں انسانی زندگی کے مسائل ختم ہوتے ہیں

اس لئے کسی جاہلی نظام سے تعاون ان کے لئے ایک دلدل ثابت ہوگا جس میں پھنسے ہوئے ان کے قدم روز بروز اور گہرائی میں دھنستے چلے جائیں گے۔"

"مان لیجئے مسلمانوں کے حصہ میں اس وقت صرف بلائیں ہی بلائیں رہ گئی ہیں اور اس کے لئے دو یا دو سے زاید بلاؤں میں سے کسی ایک کا انتخاب کرنا ہی مقدر ہے کیوں کہ اس کے لئے اب پسند کے سارے راستے بند ہیں تو کیا سب سے ہلکی بلا یہی رہ گئی ہے کہ وہ نظام جاہلی کا علمبردار بن جائے لادینیت کا پرچار کرتا پھرے قرآن وسنت کو مسجدوں میں بند کر کے انسانی حاکمیت کی بنیاد پر قانون سازی کرنے لگے۔ اگر یہ سب سے ہلکی مصیبت ہے تو خدارا بتایئے کہ سب سے بڑی مصیبت کیا ہوگی۔"

"کہیں اس انداز فکر کی تہہ میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ یہ سوءِ ظن تو کام نہیں کر رہا ہے کہ ہم اس کے دین کا نام لیتے ہی اپنے گھروں سے اچک لئے جائیں گے زمین ہمارے لئے تنگ ہو جائے گی اور آسمان ہم پر ٹوٹ پڑے گا اگر ایسا ہے تو صد افسوس کیوں کہ اس نے تو ہم سے کچھ اور ہی وعدے کئے ہیں (نظام جاہلیت سے تعاون "زندگی" رامپور ۱۹۵۱ء)

ان اقتباسات سے قلمکار کا پختہ عقیدہ (Conviction) سوچی سمجھی رائے سلجھی اور طے شدہ رخ نظر، دوٹوک موقف اور واضح و بے لاگ نقطہ نظر ایک ایسی نثر میں ہمارے سامنے واشگاف ہوتا ہے جو اس صدی کے اختتام تک آتے آتے نہایت مستحکم پختہ رواں اور ہر طرح کے سائنٹفک، فلسفیانہ حکیمانہ اور مذہبی و معاشرتی خیالات کی ادائیگی پر پوری طرح قادر ہو چکی ہے یہ اردو زبان وادب کی خوش قسمتی ہے کہ اسے مولانا صدرالدین اصلاحی جیسے قلمکار حاصل ہوئے جنہوں نے گذشتہ صدی کی عبارت آرائی داستاں طرازی اور لفظی شعبدہ بازی سے نجات دلا کر اسے اعلیٰ درجہ کے افکار کی ترجمانی کا وسیلہ بنایا ایسے افکار جو اس جاتی ہوئی صدی کی فضا کو صحت مند اور خوشگوار و بہتر بناتے رہے اور آنے والی صدی میں نسل انسانی کے لئے وحشت و بربریت اور تہذیبی و فکری فساد سے نجات حاصل کر کے ایک روشن مستقبل کی طرف گامزن ہونے کے امکانات کو روشن بنا گئے۔

مولانا صدرالدین اصلاحیؒ اور ان کی علمی وفکری رہنمائی

عبدالرشید عثمانی

سکریٹری، جماعت اسلامی ہند

ابوالفضل انکلیو، اوکھلا، جامعہ نگر، نئی دہلی-۲۵

انیسویں صدی عیسوی کا نصف آخر اور بیسویں صدی کا آغاز مسلمانان عالم اور مسلمانان ہند کے لئے انتہائی اذیت ناک اور تکلیف دہ تھا۔ مغربی تہذیب کی یلغار اپنے عروج پر تھی، مغربی اقوام مسلم ممالک پر اس طرح ٹوٹ پڑ رہی تھیں جیسے بھوکے دسترخوان پر۔ عالم اسلام پر ایک سراسیمگی کا عالم تھا مغربی تہذیب کے مارے کتنے ہی مسلم دانشور اور رہنما امت مسلمہ کے تشخص، اس کی شناخت اور اس کے تحفظ کی فکر کو بالائے طاق رکھ کر مغربی تہذیب کے اپنانے ہی میں قوم کی تعمیر وترقی کا فیصلہ کر چکے تھے کتنے ہی مسلم ممالک اقوام مغرب کے زیر تسلط آ چکے تھے۔ یہ اسی زمانہ کا شاخسانہ ہے کہ ۱۹۲۴ء میں ترکی میں مصطفیٰ کمال اتاترک نے خلافت عثمانیہ کے ٹمٹماتے ہوئے دیئے کو بجھا دیا اور مغربی تہذیب کو مسلم معاشرے میں بزور طاقت نافذ کر دیا جس سے اسلامی معاشرت و معیشت اور تہذیب و تمدن کو شدید نقصان پہونچا خلافت عثمانیہ گو کہ خلافت کی مکمل ترجمان نہیں تھی لیکن اسلامی اقدار وتہذیب کی ایک علامت تھی اور ایک حد تک اسلام اور مسلمانوں کے تحفظ و بقاء کی ضامن تھی یہودیوں نے مختلف طریقوں سے ارض فلسطین کے حصول کی کوشش کی اور اپنے اقدار کو منوانے کی ہر طرح جدوجہد کی لیکن ترکی کے سلطان عبدالحمید نے باوجود اپنی بہت سے سیاسی ومعاشی مجبوریوں کے ان کے مطالبات کو ٹھکرا دیا اور ان کی پیش کردہ سہولتوں اور فائدوں کی سرمو پرواہ نہیں کی۔ خلافت عثمانیہ کے خاتمہ کے بعد عالم اسلام میں احساس کہتری پیدا ہوا اور اسلام بحیثیت نظام زندگی کے تقریباً معدوم ہو گیا یہی وہ دور تھا جب ہندوستان کے حالات مسلمانوں کے لئے بڑے صبر آزما تھا ۱۹۲۵ء میں شہر ناگپور میں آر ایس ایس کی بنیاد رکھی گئی یہ وہ تحریک ہے جس کی بنیاد ہی میں اسلام دشمنی کے بنیادی پتھر

رکھے گئے ہیں ہندو مہا سبھا اور شدھی سنگھٹن اسی زمانہ میں اپنے عروج کی منزلیں طے کر رہی تھیں مسلمان تعلیم، سیاست، اور معیشت کے میدانوں میں پست حال تھے اور دینی تشخص انحطاط کے مرحلہ میں تھا۔

اللہ تعالیٰ کی سنت ہے کہ جب رات کا اندھیرا بہت تاریک اور دبیز ہو جاتا ہے تو صبح نو کی روشن کرنوں کا وقت قریب آ لگتا ہے تقریباً ایسا ہی حال ہندوستان اور دنیا میں اسلام اور مسلمانوں کے تعلق سے ہوا۔ ایسے لوگ اور ایسی تحریکیں وجود میں آنا شروع ہوئیں جو مسلمانوں کے لئے مہمیز کا کام کر رہی تھیں ترکی، مصر، انڈونیشیا اور دیگر عالم اسلام کے مراکز میں اسلام کے لئے کام کرنے والے عناصر ابھرنے لگے ہندوستان میں ایسے افراد اور جماعتیں وجود میں آنا شروع ہوئیں جنہوں نے مسلمانوں کو بیدار کرنا شروع کیا احرار المسلمین، خاکسار تحریک، جمعیۃ العلماء، مسلم لیگ اور اس نوعیت کی دیگر جماعتیں وجود میں آئیں مولانا الیاسؒ مولانا مودودیؒ اور مولانا شبیر احمد عثمانی وغیرہ آگے بڑھے اور انہوں نے اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے لئے جدوجہد کا آغاز کیا۔

دعوت دین میں مولانا صدر الدین اصلاحیؒ کی شمولیت

یہی وہ دور تھا جب ایک نوجوان شخصیت صدر الدین اصلاحی کے نام سے ابھری۔ مولانا صدر الدین اصلاحیؒ اپنی زندگی کے ابتدائی دور ہی سے جب کہ وہ مدرسۃ الاصلاح سرائے میر میں زیر تعلیم تھے قرآن وسنت سے بڑا گہرا لگاؤ رکھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی صلاحیتوں کو صحیح طور پر کام میں لانے کی توفیق عطا فرمائی۔ ۱۹۳۷ء اور اس کے قرب وجوار کا زمانہ مسلمانان ہند کے لئے بڑا اذیت ناک تھا ایک طرف کمیونزم تیزی کے ساتھ ابھر رہا تھا کتنے ہی مسلم نوجوان کمیونزم کے حامی بن کر اس کے علم بردار بن گئے۔ دین کا تصور انتہائی محدود ہو کر رہ گیا تھا مسلمان کو اپنے مقصد زندگی کا شعور تک نہ تھا روزمرہ کے معاملات میں اخلاق معاشرت ومعیشت میں مغربی تہذیب کے اثرات ان میں سرایت کر چکے تھے نماز اور کلمہ تک کی فکر سے دور ہو رہے تھے معاشی، معاشرتی تعلیمی اور سیاسی اعتبار

سے مسلمان عجیب کشمکش کی زندگی گذار رہے تھے رہنمائی اور منزل سے محروم یہ امت حق وباطل کے دوراہے پر کھڑی مستقبل کی تعمیر کی فکر میں غلطاں وپیچاں تھی۔ ایسے پر آشوب دور میں مولانا صدر الدین اصلاحی نے ایک اہم مقالہ بنام ''مسلمان اور امامت کبریٰ'' تحریر فرمایا اور اس وقت کے ایک معروف دینی ماہنامہ ''ترجمان القرآن'' میں تین قسطوں میں شائع ہوا۔ یہ مقالہ مرحوم نے جماعت اسلامی کی تشکیل سے پہلے تحریر فرمایا تھا لیکن اس مقالہ کے متن کو پڑھ کر صاف محسوس ہوتا ہے کہ مولانا مرحوم نے اسی مقصد کو اپنے سامنے رکھا جس کو بعد میں جماعت اسلامی نے اپنا مشن قرار دیا یہ مقالہ اب کتابی شکل میں شائع ہو چکا ہے۔ اس کے پڑھنے سے مولانا کے ذہن وفکر کے رخ کا اندازہ ہوتا ہے اس مقالہ میں مولانا نے اپنے عہد کے مسلمانوں کو بیدار کرنے کی بھرپور کوشش کی اور یہ کہ ملت آج بھی اپنے اصل مقام کو حاصل کر سکتی ہے بشرطیکہ وہ خدا سے کئے ہوئے عہد کو پورا کرے اس کتاب کے چند اقتباسات ملاحظہ ہوں:

> ''.........صرف سوال یہ ہے کہ ان (مسلمانوں) کی ترقی کا راستہ کون سا ہو سکتا ہے.......... میرے ناقص خیال میں دو راہوں کے سوا کوئی تیسری راہ نہ ہوگی یا تو وہ یورپ کے سانچے میں ڈھلیں اور اس کے اصول کو لے کر میدان میں اتریں یا پھر گردن موڑ کر پیچھے ہٹیں اور صدیق اکبرؓ فاروق اعظمؓ حیدر کرارؓ عثمان غنیؓ اور خالد سیف اللہؓ کو اسوہ قرار دیں اور کتاب الٰہی کو لے کر میدان میں آئیں۔ روحانی اور اخلاقی ترقی کے لئے ایک اور صرف ایک ہی راہ ہے اور وہ وہی راہ ہے جو خدا نے بنائی ہے یہود کو معزول ومعتوب کر دینے کے بعد اس نے انہیں (مسلمانوں کو) از سر نو زندگی اور قوت حاصل کرنے کا راستہ بتلایا تھا کہ اگر تم خلافت الٰہی کی کھوئی ہوئی نعمتوں سے سرفراز ہونا چاہتے ہو تو میری خالص اطاعت اور میرے احکام کی کامل اتباع کرو.......... اگر تم قرآن کو قائم کرو اور اس کی روشنی میں راہ نجات تلاش کرو تو تم بہر حال نعمات الٰہی کے حق دار ہو گے کیوں کہ اس سے بڑھ کر صاف اور سیدھی راہ اور کوئی نہیں.........
>
> اسلام کے دردمندوں کو چاہئے کہ ان فتنوں (جن کا ذکر اوپر ہو چکا ہے) کے

مقابلہ کے لئے بشرطیکہ انہیں اپنی مسئولیت اور ذمہ داری کا بھی ذرہ ہو خانقاہوں اور مدرسوں کے حجرے سے باہر نکلیں کتاب الٰہی کی روشنی میں منزل مقصود کو تلاش کریں امت کی شیرازہ بندی اور قوم کی مکمل تنظیم کا ہر ممکن طریقہ اختیار کریں اور ان مفاسد کا سب سے پہلے سد باب کریں جو اختلاف و نزاع کے جراثیم پیدا کر کے وحدت امت کو ٹکڑے ٹکڑے کر رہے ہیں (مسلمان اور امامت کبریٰ" ص ۴۷-۴۸)

مولانا مودودیؒ نے مولانا مرحوم کی شخصیت اور ان کے علم و فکر کا اندازہ کر لیا تھا مولانا صدرالدین کو اپنے ساتھ کام کرنے کیلئے بلایا پٹھان کوٹ میں دارالاسلام کے قیام کے بعد مولانا صدرالدین ایک عرصہ تک مولانا مودودی کے ساتھ رہے اور ان کی صلاحیتیں اور علم و فکر ترقی کی منازل طے کرتی گئیں مولانا مودودیؒ نے اس بات کا اہتمام کیا کہ ملت کے وہ دانشور اور علماء جن کے اندر احیاء دین و ملت کا جذبہ تھا یکجا ہوں تا کہ اجتماعی طور پر اللہ کے کلمہ کو بلند کرنے کی سعی کی جا سکے بالآخر ۲۶/ اگست ۱۹۴۱ء کو لاہور میں ۷۵ علماء و دانشوران پر مشتمل ایک اجتماع منعقد ہوا اور جماعت اسلامی کی تشکیل عمل میں آئی بعض وجوہ کی بنا پر مولانا صدرالدین صاحبؒ اس اجتماع میں شریک نہ ہو سکے لیکن دارالاسلام سے سابقہ وابستگی کی وجہ سے جماعت سے بھی وابستہ قرار پائے۔

مولانا صدرالدین اصلاحیؒ کے علمی و فکری کام

۱۵/ اگست ۱۹۴۷ء کو برصغیر دو حصوں میں تقسیم ہو گیا ایک ہندوستان اور بھارت کے نام سے اور دوسرا پاکستان کے نام سے۔ پورا ملک انگریزوں کی غلامی سے آزاد ہو گیا جماعت اسلامی کے ارکان دو حصوں میں بٹ گئے ہندوستان کے رہنے والے ارکان نے ۱۸/ اپریل ۱۹۴۸ء کو بمقام الٰہ آباد اپنی تنظیم کو جماعت اسلامی ہند کے نام سے موسوم کیا مولانا ابواللیثؒ جماعت اسلامی ہند کے پہلے امیر منتخب ہوئے الحمدللہ مولانا صدرالدینؒ جماعت کی تنظیم میں شامل رہے اور آخر عمر تک اپنی ذمہ داریوں کو نبھاتے رہے مولانا مرحوم نے ارکان جماعت کی تربیت اور ان کے علمی و فکری ارتقاء پر خصوصی توجہ دی۔ مولانا کے علم

فکر اور ان کی خدمات کا اندازہ ان کی تصنیفات سے لگایا جا سکتا ہے "اساس دین کی تعمیر" فریضہ اقامت دین، قرآن مجید کا تعارف، اسلام ایک نظر میں، دین کا قرآنی تصور، اسلام اور اجتماعیت، اختلافی مسائل میں اعتدال کی راہ، اور تحریک اسلامی ہند وغیرہ

مولانا مودودیؒ نے قرآن و سنت کی روشنی میں جو لٹریچر تیار کیا وہ بہت وسیع ہے مولانا صدرالدین نے اس وسیع لٹریچر میں چند بنیادی اضافے کئے مثلاً مولانا مودودیؒ کے پورے لٹریچر میں اسلامی اجتماعیت اور اس کے خدوخال ایک جگہ مربوط شکل میں نہیں ہیں مولانا نے اسلام اور اجتماعیت، نامی کتاب لکھ کر اس خلا کو پر کیا اس کتاب میں اسلام میں اجتماعیت کے تصور اور اس کے مختلف تقاضوں کو تفصیل کے ساتھ علمی اور عملی انداز میں پیش کیا اسلام میں اجتماعیت کا مقام عبادتوں کے اجتماعی آداب، امیر و مامور کے باہمی تعلقات، نظام خلافت کا شرعی وجوب، خلافت کے حقوق اطاعت کے حدود اور عام اجتماعی زندگی کے بیش بہا ثمرات کو پیش کیا۔ اسلامی اجتماعیت کی بنیاد قرآن و سنت کو قرار دیا اور اسلامی اجتماعیت کا مقصد دین کی اقامت شہادت حق اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کو قرار دیا اس سلسلہ میں مسلمانوں کے باہمی اتحاد و اتفاق کو غیر معمولی اہمیت دی اس کتاب کا ایک اقتباس ملحوظ ہو۔

"تاریخ کی پیشانی پر ہر شخص اس ابھری ہوئی حقیقت کو نمایاں دیکھ رہا ہے کہ امت مسلمہ کی تشکیل کے سلسلہ میں آپ (نبی ﷺ) نہ تو اس سے کم کسی بات پر راضی ہوئے (جس کا اوپر ذکر ہو چکا ہے) اور نہ اس سے زیادہ کسی چیز کے طالب بنے۔ آپ ﷺ اللہ کے بندوں کو اسی کی بندگی کی طرف بلاتے جو لوگ اس دعوت پر لبیک کہتے صرف ان ہی کو امت کا جزو بناتے اور جن لوگوں کو امت کا جزو بنا چکتے انہیں اپنے دامن تربیت میں لے لیتے یعنی ان کے اندر ایمان، اسلام اور تقویٰ کا جوہر پروان چڑھاتے رہتے یہی سب کا سب وہ کارنبوت تھا جس کے نتیجہ میں اسلامی اجتماعیت اور امت مسلمہ وجود میں آ سکی (اسلام اور اجتماعیت ص ۷۳-۷۴)

اسی طرح مولانا صدرالدینؒ نے "اساس دین کی تعمیر" میں تحریک اسلامی کے

کارکنوں کی تربیت کے پیش نظر بنیادی باتیں پیش فرمائی ہیں اس کتاب کو پڑھ کر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مولانا اسلامی کردار میں پختگی کے مختلف مراحل سے گذار کر ایسے داعیان حق پیدا کرنا چاہتے ہیں جو باطل کی ہر طاقت کا مقابلہ کرسکیں مولانا نے اس کتاب میں دین کی عمارت کی تعمیر اور اس کے بنیادی پتھروں پر سیر حاصل گفتگو کی ہے۔ یہ کتاب فکری رہنمائی کے لئے انتہائی ناگزیر ہے اور اس لئے ایک ایک صفحہ کا بالاستیعاب مطالعہ کرنے کی ضرورت ہے مولانا نے تعمیر دین کے چار بنیادی اجزاء بتائے ہیں اللہ پر ایمان، آخرت پر یقین، نماز اور صبر چاروں اساس پر مولانا نے تفصیلی گفتگو کی ہے۔ آپ نے تحریر فرمایا کہ "یہی چار چیزیں ہیں جن کی روح اگر داعیان حق کے دلوں میں اچھی طرح اتری ہوئی ہو تو اس بات کی ضمانت ہوگی کہ وہ اپنے نصب العین کی راہ میں سست گامی کو کبھی روا نہ رکھیں گے اور یہ کہ دین حق کا قیام فی الواقع ایک مضبوط چٹان پر ہو رہا ہے اس حقیقت کی تفصیلی شہادت مکی سورتوں کے صفحات پر منتشر صورت میں دور تک نظر آسکتی ہے لیکن قرآن میں بعض مقامات ایسے بھی آپ کو ملیں گے جہاں یہ بات صرف چند لفظوں میں سمیٹ کر بیان کردی گئی ہے۔ جن کے دیکھنے سے بیک دفعہ صاف نظر آجاتا ہے کہ دینی نظام کے پورے ڈھانچے میں قلب وجگر کا مقام صرف ان ہی چیزوں کو حاصل ہے (اساس دین کی تعمیر ص ۲۵)

اساس دین کی تعمیر میں مولانا نے نماز کے موضوع پر جو باتیں پیش کی ہیں وہ غیر معمولی اہمیت کی حامل ہیں اعمال کی پوری فہرست میں یہی ایک عمل ہے جسے یہ امتیاز حاصل ہے اور جسکے بارے میں یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ عملی پہلو سے نماز اور اس کی ٹھیک ٹھیک ادائگی پورے دین کی تعمیر کی ضمانت ہے مولانا نے اس بات کو پرزور دلائل کے ساتھ پیش کیا ہے کہ نماز کا ذکر قرآن مجید میں مختلف طریقوں سے اور مختلف اسالیب میں پیش کیا گیا ہے یہ کوئی اتفاقی بات نہیں بلکہ بہت معنی خیز اور نماز کے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کرنے والی ہے ایمان اور نماز میں ایک گہرا تعلق ہے وحی الٰہی ایمان کے بعد سب سے پہلے نماز ہی کا حکم دیتی ہے قرآن میں اس کی متعدد مثالیں ہیں نماز کی حفاظت ونگرانی دراصل پوری شریعت کی حفاظت ونگرانی ہے نماز ہی بنیاد خیر وصلاح ہے باقی دوسرے تمام اچھے اعمال اسکے بعد ہی وجود میں آتے ہیں مولانا نے

اس کتاب میں یہ تحریر فرمایا ہے کہ نماز ایک عمل ہے اور شریعت کا ایک جزء ہے مگر غور کرنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ پوری شریعت اس عمل میں سمٹی ہوئی ہے نماز ایک مرکزی ستون ہے جس نے اس کو قائم رکھا اس نے اللہ کے دین کو قائم رکھا اور جس نے اسے ڈھادیا اس نے دین کو ڈھا دیا۔ مولانا نے اس بات کے دلائل دیے ہیں کہ نماز ایک ایسا عمل ہے جس کی وجہ سے بندے کو اللہ کی معیت نصیب ہوتی ہے مسلم کی حدیث ہے بندہ اپنے رب سے سب سے قریب اس وقت ہوتا ہے جب وہ سجدے میں ہوتا ہے (اقرب ما یکون العبد من ربه وهو ساجد)

مولانا صدرالدین اصلاحیؒ کی ایک اہم کتاب "فریضہ اقامت دین" ہے اس کتاب میں مولانا نے امت کی رہنمائی اس طرح فرمائی ہے کہ اس امت کا اصل کام ہی اللہ کے دین کو قائم کرنا قرار دیا ہے اور یہی وہ شرف وامتیاز ہے جس کی بنا پر یہ امت ہمیشہ دنیا میں اپنا تشخص باقی رکھ سکتی ہے جب امت میں مقصد شناسی کا زوال پیدا ہوا تو خود فراموشی اتنی آگے بڑھی کہ وہ اپنے وجود کی غرض وغایت کو بھول گئی۔

مولانا نے اقامت دین سے گریز کے فلسفہ کی تاویلوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ گریز کے یہ فلسفے پانچ ہیں (جن کا خلاصہ درج ذیل ہے)

ایک گروہ یہ کہتا ہے کہ جن کو اللہ نے توفیق دی ہے وہ دین پر ٹھیک ٹھیک عامل ہیں رہ گئے قرآن وسنت کے وہ احکامات جن کا تعلق اسلامی حکومت سے ہے تو ان کے مخاطب مسلمانوں کے اولوالامر ہیں عوام نہیں چونکہ اس وقت اسلامی حکومت قائم نہیں ہے اس لئے ان احکام کے اجراء ونفاذ کی ذمہ داریوں کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ....

دوسرا گروہ کہتا ہے کہ ملت اسلامیہ کا مقصد وجود ہی اقامت دین ہے لیکن موجودہ ناسازگار حالات میں اس نصب العین کی کامیابی کا کوئی امکان نہیں ہے لہذا اس کے خاطر جدوجہد کرنا وقت اور قوت کو ضائع کرنا ہے تیسرے گروہ کا انداز فکر ہے کہ اس نصب العین کے برحق ہونے میں کوئی کلام نہیں ہے مگر اس کے لئے صدیقؓ وفاروقؓ درکار ہیں چوتھا گروہ یہ سوچتا ہے کہ کام کی کوئی راہ کھلے اور کوئی قافلہ اس پر کامیاب گامزنی کا مظاہرہ کرے تو ہم بھی اٹھ کھڑے ہوں گے ایک گروہ ایسے لوگوں کا بھی ہے جو حضرت امام مہدی کے آنے کا منتظر

جیتا ہے اس گروہ کو اگر چہ اس نصب العین کے برحق ہونے سے اختلاف نہیں ہے مگر اس کے سوچنے کا انداز اس طرح کا ہے کہ اس کام کے لئے اللہ تعالیٰ نے امام مہدی کو بھیجنے کا ارادہ فرمایا ہے اور انہیں کی زیر سرکردگی میں یہ مہم چلائی جائے گی۔

یہ سارے گروہ اور انکے یہ خیالات مسلمانوں کے ان حلقوں سے تعلق رکھتے ہیں جو مذہبی اور دین دار حلقے کہے جاتے رہے ہیں رہے وہ لوگ جو دین کے قلادہ کو اپنی گردن سے عملاً اب اتار پھینک چکے ہیں اور اپنے مسائل زندگی میں قرآن وسنت کو اتھارٹی تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں تو ان کے خیالات سے تعارض کرنا فضول ہے اسکے بعد مولانا نے ہر گروہ کے خیالات کو ایک ترتیب سے دلائل کی بنیاد پر رد کر کے مسلمانوں کی ذمہ داری فریضہ اقامت دین کو مدلل طور پر واضح کیا ہے (تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو فریضہ اقامت دین گریز کے فلسفے ص ٤٧)

اسی طرح مولانا نے ''اسلام ایک نظر میں'' ''قرآن مجید کا تعارف'' دین کا قرآنی تصور، وغیرہ میں تربیت کے پہلوؤں کو سامنے رکھتے ہوئے امت کو بیدار کرنے کی پوری پوری کوشش کی۔ اس میں شک نہیں کہ مولانا کی علمی فکری رہنمائی جماعت اسلامی کے لٹریچر کا ایک اہم جزء ہے مولانا کی ان کتابوں نے کتنے ہی تنگ وتاریک ذہنوں کو کشادہ وروشن کیا معرفت الٰہی سے روشناس کرایا۔ دین حق کے تقاضے پورا کرنے پر آمادہ کیا اور نظم وضبط کے ساتھ فریضہ اقامت دین کے لئے تیار کیا مولانا کی ان تصنیفات نے دین وسیاست کی ہم آہنگی کے ساتھ اس میں توازن پیدا کیا۔ مولانا کا یہ لٹریچر جماعت اور امت مسلمہ کے لئے ایک بیش بہا اور وقیع سرمایہ ہے یہ سرمایہ ہر زمانہ اور ہر دور میں داعیان حق کو ایک نیا عزم وحوصلہ دیتا رہے گا اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو بالخصوص داعیان تحریک اسلامی کو اس سے بھرپور فائدہ اٹھانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

مولانا مرحوم ہندوستان کے ایک معروف تحقیقی ادارہ بنام ''ادارہ تحقیق وتصنیف اسلامی'' کے روح رواں تھے اس کے ذریعہ بہت ساری کتابیں شائع ہوچکی ہیں جو ملت کی رہنمائی کر رہی ہیں مولانا آخری وقت تک ادارہ تحقیق وتصنیف اسلامی اور تحریک اسلامی کے لئے فکر مند رہے اور فکری وعملی رہنمائی کرتے رہے مولانا مرحوم جماعت اسلامی کی قائم کردہ ثانوی درسگاہ

کے کلیدی منصب پر فائز تھے بعض وجوہ کی بنا پر یہ درسگاہ بند ہوگئی جب تک یہ درس گاہ قائم رہی مولانا درسگاہ کے طلبہ کی علمی وفکری ارتقاء پر متوجہ رہے اور اس بات کا اہتمام کیا کہ ثانوی درسگاہ کے طلبہ علم وفکر اور عمل کے میدان نیز تحریک میں پیش پیش رہیں۔ اللہ تعالیٰ کا شکر واحسان ہے کہ ثانوی درسگاہ کے فارغین کی اکثریت آج بھی فکر وعمل کے میدان میں پیش پیش ہے مولانا صدرالدین اصلاحیؒ، مولانا ابواللیث ندویؒ، مولانا جلیل احسن ندویؒ اور مولانا عروج قادریؒ وغیرہ نے درسگاہ کی آبیاری کی۔ مولانا صدرالدین اس درسگاہ کے ناظم رہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی فکری وعملی رہنمائی کے اثرات کو ہمیشہ قائم ودائم رکھے اور ان کی مغفرت فرمائے۔ آمین

جامعة الصلاح، نصیر پور، بندول، اعظم گڑھ

ایک مختصر تعارف

١- اسلام کے جاوداں پیغام سے برادران وطن کو روشناس کرانا

٢- نئی اسلامی نسل کو تعلیم وتربیت کے ذریعہ دعوت وتبلیغ کے لئے تیار کرنا

٣- عصر حاضر میں عالم اسلام کے لئے مطلوبہ قیادت کو فراہم کرنا

٤- علماء وفقہا کے ساتھ ساتھ جدید عصری علوم کے متخصصین پیدا کرنا

٥- اسلام کی تہذیبی وثقافتی میراث کا تحفظ

٦- ہندوستان کے طول وعرض میں پھیلے ہوئے مدارس دینیہ کے درمیان ایسا ربط وتعلق پیدا کرنا جس سے غلبہ اسلام کی راہیں ہموار ہوسکیں۔

جامعہ کا تعلیمی نظام: جامعہ کا تعلیمی نظام چار مراحل میں منقسم ہے

١- ابتدائی مرحلہ (تحتانیہ) ٥ سال ٢- ثانوی مرحلہ (فوقانیہ) ٣ سال

٣- اعلیٰ مرحلہ فضیلت (عالیہ) ٧ سال یا- مجوزہ شعبہ سائنس وٹیکنالوجی ٧ سال

آئینہ مدرسہ: تعداد مدرسین-٢٦، تعداد ملازمین-٤، تعداد طلبہ وطالبات-٦٠٠ سالانہ خرچ-١٥ لاکھ روپے

اہل علم واہل خیر حضرات سے گزارش ہے کہ اپنے مشوروں اور تعاون سے نوازیں۔

ناظم: جمیل احمد فلاحی

آہ! استاذ محترم مولانا صدر الدین اصلاحیؒ

بقلم: غم گسار سید حامد عبد الرحمٰن الکاف صنعاء الیمن

ترجمان القرآن بابت دسمبر ۱۹۹۸ء کے صفحہ ۵۸ پر ڈاکٹر عبد المغنی صاحب کے قلم سے مختصر سا تاثر مولانا صدر الدین اصلاحیؒ کی وفات پر پڑھا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون میری اپنی ناقص رائے میں نہ تو یہ تاثر ہی کافی ہے اور نہ ترجمان کی طرف سے چند سطریں جو اس عظیم شخصیت کے بارے میں لکھی گئی ہیں اس حق کو ادا کرتی ہیں جو ترجمان القرآن اور صاحب ترجمان سے ان کے دلی اور گہرے تعلق کی وجہ سے واجب الادا قرار پاتا ہے۔ اس لئے میں اس جرأت کا ارتکاب کر رہا ہوں کہ عدل وانصاف کا تقاضا پورا ہو سکے۔

مولانا صدر الدین اصلاحیؒ صاحب کا تعلق ترجمان القرآن اور مولانا مودودیؒ سے اس وقت سے پیدا ہو چکا تھا جب وہ حیدر آباد دکن سے شائع ہوا کرتا تھا۔ یہ مضامین نہ صرف ان کی فکری گیرائی، سنجیدگی اور متانت، ادبیت اور قوت انشاء پر دلالت کرتے تھے بلکہ ان میں اور مدیر ترجمان میں عقائد وفکری ہم آہنگی کی عکاسی بھی کرتے تھے۔ یہ عکاسی صرف کاغذ وقلم تک محدود نہیں رہی بلکہ جب مولانا مودودیؒ نے ''دار الاسلام'' کی اسکیم پیش کی اور اس کو عملی جامہ پہنانے کے لئے بذات خود دار الاسلام پٹھان کوٹ پنجاب منتقل ہو گئے تو ان کی دعوت پر مولانا صدر الدین اصلاحیؒ بھی وہاں پہونچ گئے اور ان دونوں نے مل کر اس علمی کام کی بنیاد ڈالی جس کی بہترین تصویر تاریخ نے یوں محفوظ کی ہے۔

''ادارۂ دار الاسلام'' کی تاسیس عمل میں آتے ہی اولین کام جو کیا گیا وہ علمی شعبہ کا قیام تھا سر دست اس میں صرف دو آدمی ہیں۔ ایک مولوی صدر الدین اصلاحیؒ دوسرا ابو الاعلیٰ مودودی اگرچہ بے سروسامانی قابل داد ہے۔ اتنا عظیم کام سامنے ہے اور صرف دو آدمی اس کی ابتداء کر رہے ہیں اور وہ بھی اس حال میں کہ کتب خانہ گویا موجود ہی نہیں لیکن اگر ہمارا عزم راسخ ہے اور ہماری نیت خالص ہے تو یہی بے سروسامانی جس پر بعض لوگ مضحکہ اڑانے میں بھی تامل نہیں کریں گے ایک روز رحمت الٰہی کی مستحق ثابت ہوگی۔ اس شعبے کے

لئے ہم کو ایک اعلیٰ درجے کا منتخب کتب خانہ درکار ہے اور نوجوانوں کی ایک ایسی جماعت مطلوب ہے جو بہترین ذہنی صلاحیتیں رکھنے کے ساتھ اونچے ارادے اور ان ارادوں میں اپنے آپ کو فنا کر دینے کی قوت رکھتے ہوں'' (اشارات سید ابو الاعلیٰ مودودیؒ ترجمان القرآن ج ۱۳ عدد رجب ۱۳۵۷ھ ستمبر ۱۹۳۸ء)

۶۰ سال ۲ ماہ قبل لکھے ہوئے ان کلمات کی عملی تفسیر وہ علمی کام ہیں جو مودودی اور اصلاحیؒ نے مل جل کر تقسیم ہند تک یعنی اگست ۱۹۴۷ء تک اور تقسیم کے بعد ان دونوں حضرات نے فرداً فرداً علی الترتیب پاکستان اور ہندوستان میں انجام دیئے ہیں۔ مولانا مودودی کے علمی کارنامے قارئین ترجمان القرآن، اہل پاکستان اور ایک دنیا جانتی ہے مگر مولانا صدر الدین اصلاحیؒ کے علمی کاموں کا خصوصاً پاکستان میں اتنا چرچا نہیں ہے جیسا کہ ہونا چاہئے۔

تقسیم ہند کے بعد مولانا صدر الدین صاحب تو مولود جماعت اسلامی ہند کی مجلس شوریٰ کے رکن منتخب ہوئے اور شعبہ تصنیف وتالیف کے ذمہ دار قرار دیئے گئے جب میں ۱۹۵۸ء کے وسط میں عثمانیہ یونیورسٹی حیدر آباد دکن سے معاشیات اور سیاسیات میں بی اے کی ڈگری لے کر ثانوی درس گاہ جماعت اسلامی (ہند) رامپور یوپی پہونچا تو اس وقت مولانا صدر الدین صاحب اس ثانوی درسگاہ کے صدر مدرس بھی تھے اس طرح وہ ان دو شعبوں کے ذمہ دار تھے جن کا آپس میں گہرا رشتہ تھا۔ علمی کاموں کے لئے حوصلہ مند نوجوانوں کو تیار کرنا اور پھر ان کی علمی کاوشوں کو منظر عام پر لانا یاد رہے کہ اس درسگاہ میں تعلیم کی مدت ۴ سال تھی اور داخلے کے لئے کسی یونیورسٹی سے گریجویشن کی ڈگری شرط تھی یوں مولانا نے اپنی ذات میں دریا اور منبع دریا دونوں کو جمع کر رکھا تھا شاید اس وقت مولانا حامد علی صاحب شعبہ تصنیف وتالیف کے رکن تھے اور ہمارے دوست اور ہم درس مولانا جلال الدین انصر عمری صاحب اور جناب وحید الدین خاں صاحب اس شعبہ میں زیر تربیت تھے اسی لئے وہ ہمارے درس میں حاضری دیا کرتے تھے۔ مولانا عمری صاحب جامعہ دار السلام عمر آباد تامل ناڈو کے فارغ بھی تھے مگر علمی تشنگی ان کو ہمارے درمیان کھینچ لایا کرتی تھی۔

ابتدائی عربی زبان وادب اور تفسیر قرآن کریم میں مولانا جلیل احسن ندویؒ سے

استفادہ کرنے کے بعد دوسرے سال تدریس میں ہم کو صدر مدرس صاحب سے تفسیر پڑھنے کا موقع ملا۔ یہ موقع صرف دو سورتوں تک محدود رہا مگر استفادہ خوب تھا یہ سورتیں سورہ ہود اور سورہ یوسف ہیں۔

مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ درس قرآن کا طریقہ بھی مختصراً یہاں بیان کر دیا جائے شاید کہ قارئین کو فائدہ پہونچے فجر سے کوئی ایک ڈیڑھ گھنٹہ تہجد کی نماز کے بعد درس کی تیاری کا آغاز ہوا کرتا تھا سب سے پہلے لسان العرب، القاموس، المنجد وغیرہ لغات سے کلمات اور اسالیب بیان کی تحقیق کرنی ہوتی تھی تاکہ کلمات کے حسی اور معنوی معنوں کا اشعار عرب اور استعمالات عرب سے پوری طرح احاطہ کرلیا جاسکے۔ اس کے بعد تفاسیر کا نمبر آتا تھا اس میں ساری۔ ہاں ساری ہی اہم تفاسیر میں زیر تدریس آیات کریمات پر جو کچھ لکھا ہے ان کا آپس میں مقابلہ کر کے خود اپنی رائے قائم کرنی ہوتی تھی۔ یہ تیاری ہر طالب علم فرداً فرداً کرتا، کسی سے کوئی بات چیت نہیں کرتا، لغات اور تفاسیر سب کی سب عربی میں ہوا کرتیں اردو اور کسی زبان کی لغات اور تفاسیر ممنوع تھیں تاکہ براہ راست عربی میں تحقیقی کام انفرادی طور پر انجام دینے کی صلاحیتیں اجاگر ہو سکیں۔ درس کے وقت ہر طالب علم اپنی اپنی کاوشیں پیش کرتا گرم گرم بحث ہوتی اور بعض وقت ایک دو آیات پر دو دو دن لگ جاتے اسی لئے یہ دو سورتیں ایک سال میں ختم ہوئیں اتنا ضرور ہے کہ سورہ یوسف کی ابتداء امیر جماعت اسلامی ہند مولانا ابواللیث اصلاحی ندویؒ کے سامنے ہوئی کیوں کہ مولانا صدر الدین اصلاحی اس وقت چھٹی گذارنے اپنے گھر تشریف لے گئے تھے یہی سبب ہے مولانا ابواللیثؒ کا ہمارے استاذ ہونے کا۔

مولانا صدر الدین اصلاحیؒ لطیف مسکراہٹ کے ساتھ پان کھاتے ہوئے طلبہ کی بحثوں کو سنتے اور مناسب وقت پر رہنمائی کرتے ہوئے صحیح اور مدلل اور متفق علیہ نتیجہ تک پہونچانے میں حصہ لیتے۔ بعض وقت جب خود مولانا سے ٹھن جاتی جس میں زیادہ تر یہ خاکسار ہی تھا۔ تو بڑے صبر سے دلائل و براہین کا انبار لگا دیتے اور ہر شبہ اور اعتراض کا ازالہ کرنے کی بھرپور کوشش فرماتے یہاں تک ہم لوگ مطمئن ہو جاتے۔ فجزاہ اللہ عنا خیراً

اس دو سالہ تفسیری تربیت پہلے مولانا جلیل احسنؒ اور بعد میں مولانا صدر الدینؒ اور

ابواللیث اصلاحی ندویؒ کے بعد جب ثانوی درسگاہ بعض وجوہ کی بنا پر بند کر دی گئی تو مولانا صدر الدین اصلاحیؒ نے بحیثیت صدر مدرس ایک سرٹیفکٹ عنایت فرمایا جس پر ۲۸ صفر ۱۳۸۱ھ مع دستخط ثبت ہے یہ سرٹیفکٹ میں نے حرز جان بنا کر ابھی تک رکھا ہے۔

بعد ازاں میں، عزیز دوست شبنم سبحانی، محمود لکھنوی تینوں مزید دو سال مکمل کرنے کے لئے سرائے میر اعظم گڑھ پہنچے جہاں مدرسۃ الاصلاح واقع ہے یہاں آخری درجوں میں ہمیں مولانا نظام الدین اصلاحی صاحب سے قرآن کریم پڑھنے اور سمجھنے کا موقع ملا۔ حدیث فقہ اور ادب کے دوسرے اساتذہ کرام سے بھی استفادہ کا موقع ملا۔ مدرسۃ الاصلاح کے قیام کے دوران مجھے مولانا صدر الدین صاحبؒ کے گاؤں پھول پور اور مولانا ابواللیث صاحبؒ کے گاؤں چاند پٹی اور مبارک پور اور پھریہا (مولانا فراہیؒ کا گاؤں) اور شبلی منزل اعظم گڑھ جانے کا موقع ملا اندازہ ہوا کہ اعظم گڑھ بڑا مردم خیز ضلع ہے جس نے اساطین فکر و عمل پیدا کئے ہیں دار المصنفین اور مدرسۃ الاصلاح ہی اس کے لئے فخر کے لئے بہت کافی ہیں اس پر محدثین مبارک پور نور علی نور ہیں۔

مولانا صدر الدین علی گڑھ میں

کچھ عرصہ بعد مولانا شعبہ تصنیف و تالیف کے ساتھ اور ہمارے دوست مولانا انصر عمری کے ساتھ علی گڑھ منتقل ہو گئے جہاں پھر سے تدریس اور تالیف و تصنیف کی نئی دنیا بسائی اور سہ ماہی "تحقیقات اسلامی" جاری کیا جو آج ہندوستان کے اعلیٰ درجے کے علمی رسالوں میں شمار ہوتا ہے ساتھ ہی ساتھ انہوں نے نوجوانوں کی تربیت کا بھی بندوبست کیا جن کی کاوشیں اب منظر عام پر آنے لگی ہیں یہ ادارہ بڑے شاندار علمی مذاکرات بھی منعقد کرتا ہے جس میں ہندو مسلم اور عیسائی رہنما اور علمی شخصیتیں شریک ہوا کرتی۔ ترجمے سے بھی یہ ادارہ غافل نہیں ہے انگریزی اور عربی میں کتابیں شائع کرتا رہتا ہے۔ اس طرح وہ شمع جس کو مودودیؒ اور صدر الدین اصلاحیؒ نے مل کر دار الاسلام پٹھان کوٹ میں آج سے ۶۰ سال پہلے روشن کی تھی آج تک سیکڑوں بلکہ ہزاروں شمعات کو روشن کر چکی ہیں جن کی روشنی ہر طرف پھیل کر دین حق کی راہ اوروں کو دکھا رہی ہے اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ مودودیؒ اور اصلاحیؒ پر اپنی رحمتوں کی

بارش فرمائے اور ان کی لغزشوں کو معاف فرما کر انکو جنات الفردوس میں داخل فرمائے۔ آمین

اس ہیچمداں سے مولانا کو ہمیشہ ہی سے پدرانہ محبت رہی۔ بڑی بزرگانہ شفقت سے پیش آتے اور میری گستاخیوں کو خندہ پیشانی سے برداشت کرتے۔ میری ان سے آخری ملاقات جدہ میں ہوئی تھی جب وہ حج پر تشریف لائے تھے میں نے زیادہ سے زیادہ وقت ان کے ساتھ گذارنے کی کوشش کی اور علمی استفادہ بھی خوب کرتا رہا۔ مولانا بھی میری طلب دیکھ کر مختلف موقع عطا فرمایا کرتے تھے مجھے خوشی یہ ہے کہ وداع کے وقت وہ مجھ سے بہت خوش ومطمئن تھے یہی میرا سرمایہ افتخار ہے۔

میں نے ان سے بصد ادب درخواست کی تھی کہ وہ مولانا فراہیؒ کی عربی مطبوعات از راہ کرم روانہ فرمائیں واپسی پر ساری کتابیں ہمارے عزیز دوست ڈاکٹر عبدالعظیم اصلاحی صاحب کے ہاتھوں روانہ فرمادیں۔ ان سے میں نے بھرپور استفادہ کیا ہے۔ ان میں سے قابل ذکر مقدمۃ نظام القرآن اسالیب القرآن، جمہرۃ البلاغۃ وغیرہ ہیں۔ یہ علوم قرآن، ادب وبلاغت کے بیش بہا خزانے ہیں جو مولانا صدرالدین نے مجھے ہدیۃً عنایت کئے تھے۔

فجزاہ اللہ عنی خیرا الخیراء وانزلہ مع صاحبہ وقائدہ السید المودودیؒ مع قائدنا وقائدھم وقائد الانبیاء والمرسلین سیدنا ونبینا ومولانا محمد فی فسیح جناتہ انہ قریب مجیب الدعاء آمین آمین یارب العالمین۔

(جمعہ کے دن صبح دس بجے ۲۲/شعبان ۱۴۱۹ھ ۱۱/دسمبر ۱۹۹۸ء صنعاء، جمہوریت یمن)

اردو جاننے والوں کے لئے انگریزی گرامر اور کمپوزیشن کی ایک قابل اعتماد کتاب

GENERAL ENGLISH FOR YOU

A reliable book of English Grammar and Composition

By

S. Abdullah, M. A.

Including

Parts of Speech, Direct and Indirect Narration

Punctuation, Spelling-Words Formation, Translation

Essay and Letter Writing Etc.

Price Rs. 60.00

کتاب ملنے کا پتہ :۔ عبدالبر لالاڑی۔ ایڈیٹر حیات نو۔ جامعۃ الفلاح۔ بلریا گنج، اعظم گڑھ

قافلۂ جماعت کا آخری حسین

عبدالعزیز سلفی فلاحی

چیرمین تحریک دعوت القرآن

الف ۱۱/۴۲، جوگابائی ایکسٹینشن، جامعہ نگر، نئی دہلی-۲۵

مولانا صدرالدین اصلاحیؒ کو سب سے پہلے جامعۃ الفلاح میں دیکھا میں اس وقت فلاح میں زیر تعلیم تھا مولانا غالباً انتظامی وتعلیمی کمیٹیوں کے اجلاس میں شرکت کے لئے تشریف لائے ہوئے تھے سلونا رنگ، لمبا قد، نحیف ونزار جسم، اصلاحی طرز کی مخصوص قمیص، علی گڑھ کٹ پائجامہ اصلاحی ٹوپی ہاتھ میں دبا ہوا ادھ جلا ہوا سگریٹ، ہلکا ہلکا کش لیتے اور باوقار انداز میں دھویں کا مرغولہ چھوڑتے ہوئے مسجد سے متصل جامعہ کے مہمان خانہ میں کسی سے محو گفتگو، گفتگو کا انداز خالص مشرقی بلکہ ٹپکتا ہوا اعظمی لب ولہجہ، یہ تھے مولانا صدرالدین اصلاحی اور بیجنل مفکر جماعت اسلامی ہند۔

مولانا کا سراپا مجھے بڑا عجیب سا لگا بلکہ کہنا چاہئے کہ وہ میرے طالب علمانہ شعور کے لئے تکلیف دہ مشاہدہ تھا حسن فلاح میں مولانا کی حیثیت استاذ الاساتذہ کی تھی، جماعت اسلامی کے حوالے سے بڑے مفکر اور رہنما تھے اہل فلاح کے استاذ، مربی، محسن ومفکر بھی تھے اور ظاہر ہے ان کی جو عزت، احترام اور مقبولیت ہوگی اس کا اندازہ کیا جاسکتا ہے مگر سگریٹ کے کش میرے جذبات کو مجروح کرتے رہے کسی بھی طور سے میرا طالب علمانہ وجود ہضم نہ کرسکا۔

مولانا سے دوسری ملاقات علامہ فراہی سیمینار کے موقع پر ہوئی۔ ان دنوں میں اسلامک موومنٹ (اردو) کا اڈیٹر تھا، منتظمین سیمینار نے ایس آئی ایم کو بھی مدعو کیا تھا تاکہ نمائندگی کرنی تھی چنانچہ شرکت کا فیصلہ ہوا مولانا سید حامد علیؒ ان دنوں دہلی میں تھے، پڑھتے مولانا اصلاحیؒ اور مولانا حامد علیؒ دونوں ان دنوں بیمار تھے اور یہ بات دنیا جانتی ہے کہ جماعت اسلامی میں دونوں بزرگوں کی علمی فکری تنظیمی اور عملی خدمات کلیدی اہمیت رکھتی ہیں، دونوں